قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ

یعنی

اے رسولؐ کہو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر وہ پھر جائیں
(تو کہو) کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا (القرآن)

اِھدائِ ثواب

اسمیں

اس میں میّت کی نفع رسانی کے جائز اور
ناجائز طریقے مدلّل بیان کئے گئے ہیں
تیجے۔ ساتویں و چالیسویں کے
بدعت اور ناجائز ہونے کا مدلّل بیان ہے
آیت وان لیس للانسان الا ما سعٰی پر بحث

مع ضمیمہ

محمد گوندلوی

گلی حسن شاہ۔ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ مغربی پاکستان پنجاب

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ

يعنى

اے رسول کہو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر وہ پھر جائیں
(تو کہو) کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں رکھتا (القرآن)

اِهداءِ ثواب

اسمیں

اس میں میت کی نفع رسانی کے جائز اور
ناجائز طریقے مدلل بیان کئے گئے ہیں
تیجے۔ ساتویں و چالیسویں کے
بدعت اور ناجائز ہونے کا مدلل بیان ہے
آیت و ان لیس للانسان الا ما سعی پر بحث

منجانب

محمد گوندلوی
گلی حسن شاہ۔ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ مغربی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اکمل لنا الدین واتم علینا النعمۃ۔ وجعلنا الحمد للہ خیر امۃ۔ وحث علی السعی المشکور، والعمل المبرور۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد خاتم النبیین۔ وعلی اٰلہٖ واصحابہٖ ومن تبعھم من العلماء والفقھاء الی یوم الدین۔ **اما بعد**

برادرانِ اسلام! اللہ عزوجل نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے بنایا۔ عبادت کی حقیقت اور صورت سمجھانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ سب سے آخر حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو ایک روشن شریعت دے کر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا۔ پہلے مذاہب اپنی اصلی صورت و شکل کھو کر ایسی صورت اختیار کر گئے تھے۔ کہ ان سے اصلی شریعت کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اسباب جن کی وجہ سے ان میں تبدیلی ہوئی۔ ان کا اس شریعت میں بھی امکان تھا۔ اس لئے ان اسباب سے بالتفصیل منع کیا۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ شریعت کو اس کے اصل منبع (کتاب وسنت) سے اخذ نہ کیا جائے۔ بلکہ آراء و افکار کے مجموعہ کو اپنا نصب العین قرار دیا جائے۔ کبھی کسی عالم کے غلط فتوی کو کتاب وسنت کے مقابلہ میں لیا جائے۔ کبھی کسی صوفی کے کشف یا ذوق کو سند مانا جائے۔ کبھی علماء کی کثرت کو اجماع سمجھ لیا جائے۔

آج کل مسلمانوں کی اعتقادی اور عملی حالت بہت گری ہوئی ہے۔ بدعات اور رسوم کا بہت زور ہے۔ ان بدعات و رسوم سے مسلمانوں کی مذہبی کمزوری کے ساتھ ان کی اخلاقی اور عقلی خامی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ توحید کی جگہ شرک، سنت کی جگہ بدعت عمل کی جگہ مُردوں کے لئے غیر شرعی طریقے نفع رسانی کے پکڑ لئے گئے ہیں۔ اس لئے اس مختصر رسالے میں میت کی نفع رسانی کے جائز اور ناجائز طریقے دلائل کے ساتھ درج

کئے گئے ہیں ۔ اور رسالہ کے تین حصے کر دئے گئے ہیں ۔ ایک[1] مقدمہ ۔ دوسرا[2] مقصد تیسرا[3] خاتمہ ۔

مقدمہ

۱ ۔ بدعت کی تعریف ۔ ہر نیا کام جس پر دلیل شرعی نہ ہو ۔ کام دو قسم کے ہیں ۔ ایک دنیا کے ۔ ان میں اصل یہ ہے ۔ کہ جب تک شریعت منع نہ کرے ۔ ہم مختار ہیں ۔ جو چاہیں کریں ۔ دوسرے دین کے ۔ ان میں اصل یہ ہے ۔ کہ جب تک شریعت کسی امر کو مقرر نہ کرے ۔ وہ منع ہے ۔ دلیل ۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔ (مشکوۃ) جو ہمارے کام (دین) میں ایسی بات نکالے جو اس سے نہیں ۔ وہ مردود ہے ۔

۲ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں انصار کو کھجوروں کی تابیر (تلقیح) سے منع کیا ۔ تو پھل کم لگا ۔ آپ نے فرمایا :۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ (مسلم) تم دنیا کے کام مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔

۲ ۔ بدعت شرعیہ ۔ جس کی تعریف گذر چکی ہے ۔ اس کا ہر فرد گمراہی اور سیئہ ہے ۔ کسی فرد کو حسنہ نیک نہیں کہہ سکتے ۔ جن علماء نے بدعت کی تقسیم کی ہے ۔ انہوں نے بدعت کی تعریف اور کی ہے ۔

۳ ۔ سنت ترکیہ ۔ جو کام آنحضرت نے باوجود مقتضی داعیہ اس کے کرنے کی وجہ کے ہونے ہوئے) اور عدم مانع (یعنی اس پر عمل نہ کرنے سے کوئی رکاوٹ نہ ہو) کے نہیں کیا ۔ اور آپ کے بعد نئی وجہ پیدا نہیں ہوئی ۔ نہ پہلی رکاوٹ دور ہوئی ۔ تو اس کام کا نہ کرنا بھی سنت نبویہ ہے ۔ جیسے عیدوں کی آذان واقامت ۔ ہر نماز کے لئے غسل ۔ مردوں پر قرآن خوانی ۔

۴ ۔ عبادات کے لئے دنوں کی تخصیص جس وقت کسی دن کی تخصیص میں فضیلت

غیر ثابت ظاہر ہو۔ یا فضیلت غیر ثابت کا وہم پڑے۔ یا کسی کام کے شرعاً مقید ہونے کا وہم پڑے۔ یا وہم پڑنے کا اندیشہ ہو۔ تو یہ تخصیص منع ہے۔ اسی لئے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے اور رات جمعہ کو قیام کے لئے خاص کرنا منع ہے۔

مقصد

میت کی نفع رسانی یا میت کا نفع پہنچنے کے طریقے اور ان کے دلائل اور ان میں اختلاف کا ذکر

۱۔ دعا۔ اس پر سب امت کا اتفاق ہے۔ اگر میت مشرک نہ ہو۔ تو اس کے لئے دعا کرنی ثابت ہے۔ قرآن کریم میں اموات کے لئے دعا کرنے کا ذکر ہے جنازہ اسی لئے پڑھا جاتا ہے۔ دفن کے بعد میت کے لئے دعا کرنی ثابت ہے۔ جنازہ کے بعد متصل دعا کرنی ثابت نہیں۔ اسلاح نمبر (۱) میں اس کا مفصل بیان ہے۔ دعا ایک قسم کی شفاعت ہے۔

۲۔ تسبّب کی صورت۔ یعنی زندگی میں کوئی ایسا کام کر جائے کہ جس سے وفات کے بعد اس کو فائدہ پہنچے مختلف احادیث کو جمع کرنے سے ان کی گنتی دس تک پہنچتی ہے۔ ۱۔ علم پڑھانا۔ ۲۔ نیک بچے کی دعا۔ ۳۔ قرآن مجید چھوڑ جائے۔ ۴۔ مسجد بنائی ہو۔ ۵۔ سرائے تعمیر کرائی ہو۔ ۶۔ نہر جاری کی ہو۔ ۷۔ صدقہ زندگی اور تندرستی میں نکالا ہو۔ ۸۔ مردہ سنت کو زندہ کیا ہو یا کسی نیک کام کو جاری کیا ہو۔ ۹۔ جہاد میں مرا ہو۔ ۱۰۔ درخت لگایا ہو یا کھیتی بوئی ہو۔ یہ امور مسلم و ابن ماجہ بخاری میں متفرق طور پر مذکور ہیں۔ ان میں حصر نہیں۔ ان کے علاوہ اور امور بھی ہو سکتے ہیں۔ مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تین چیزوں کے سوا موت کے بعد عمل بند ہو جاتے ہیں۔

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ — جب انسان مر جائے۔ تو اس کا عمل بند ہو

إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ (مسلم) جاتا ہے۔ صرف تین چیزیں باقی رہتی ہے ۱۔ صدقہ جاریہ اس میں تسبب کی سب صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ ۲۔ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے ۳۔ نیک بچہ جو اس کے واسطے دعا کرے۔ دعا دراصل تسبب کی صورت نہیں۔ بلکہ شفاعت ہے۔ ضبط کے لئے اس کو تسبیب کی صورتوں میں شمار کیا ہے۔ بعض نے دعا کو بھی تسبیب میں ایک وجہ سے داخل کیا ہے جیسے آگے آتا ہے۔ تسبیب میں بھی سب کا اتفاق ہے۔

۳۔ نیابت۔ میت کی طرف سے نائب ہو کر کوئی کام کرے۔ اس میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ نائب (کام کرنے والا) ۲۔ منوب عنہ (جس کی طرف سے کام کیا جائے) ۳۔ ما فیہ النیابت (وہ کام جس میں نیابت ہو۔ نائب کے متعلق قائلین کا اتفاق ہے۔ کہ اس میں اس کام کی اہلیت ہو۔ احادیث نیابت میں یا بچے کا ذکر ہے۔ یا ولی کا۔ یا قریبی کا۔ جو علماء اجنبی کی طرف سے نیابت کے قائل ہے۔ وہ قیاس سے کام لیتے ہیں (منوب عنہ) قائلین نیابت کے نزدیک صرف مسلم کی طرف سے نیابت ہو سکتی ہے (ما فیہ النیابت) نیابت کس کام میں ہوتی ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نیابت کو بالکل نہیں مانتے۔ امام شافعیؒ صرف حج میں۔ امام احمدؒ صرف حج اور روزہ نذر دونوں میں نیابت کے قائل ہیں۔ احادیث صحیحہ (بخاری و مسلم) میں صرف دو چیزوں میں نیابت کا ذکر ہے۔ حج۔ روزہ۔ ھدایہ میں ہے عبادات کی چند قسمیں ہیں۔ مالی جیسے زکوٰۃ۔ بدنی جیسے نماز۔ مرکب جیسے حج۔ پہلی قسم (مالی) میں نیابت مطلقاً جاری ہے۔ دوسری قسم (بدنی) میں نیابت بالکل جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے مقصود نفس کو تھکان میں ڈالنا ہے۔ اور یہ بات نیابت سے حاصل نہیں ہوتی۔ تیسری قسم (مرکب) میں جب عاجز ہو۔ تو نیابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کمی مال سے مشقت حاصل ہوتی ہے۔ طاقت کے وقت نیابت جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ نفس کو تھکان میں ڈالنا نیابت سے حاصل

نہیں ہوتا۔ دائمی عجز شرط ہے۔ ظاہر مذہب یہی ہے۔ کہ حج منوب عنہ (جس کے طرف کیا گیا) کا ہوگا۔ امام محمد سے روایت ہے۔ کہ حج نائب کا ہوگا۔ حکم کرنے والے کو صرف خرچ کا ثواب ملیگا۔ ہاں اگر اصل (جس کی طرف سے حج کیا گیا ہے) کا امر نہ ہو۔ تو اس صورت میں حج نائب کا ہوگا۔ کیونکہ نیابت میں حنفیہ کے نزدیک امر شرط ہے۔

موافقات میں ہے

مطلوب شرعی۔ کی دو قسمیں ہیں (۱) عادی (دنیا کے کام) (۲) تعبدی (بندگی کے کام) عادی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جن کا فائدہ صرف کرنے والے کو ملتا ہے۔ جیسے کھانا، پینا، لبس وغیرہ۔ ان میں نیابت ناممکن ہے۔ (۲) جن کا فائدہ کرنے والے کے علاوہ دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ جیسے خرید و فروخت۔ اجارہ۔ خدمت۔ قبض۔ دینا۔ لینا۔ ان میں ایک شخص دوسرے کا نائب ہوسکتا ہے۔ تعبدی۔ کی تین قسمیں ہیں (۱) مالی (۲) بدنی۔ (۳) مرکب۔ مرکب میں اگر بدنی عبادت کو دیکھیں۔ تو نیابت نہیں چاہتے۔ اگر مالی کو دیکھیں۔ تو نیابت ممکن معلوم ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے۔ کہ عادی کا فائدہ اگر صرف کرنے والے کے ساتھ مختص ہو تو نیابت نہیں ہو سکتی۔ ورنہ ہو سکتی ہے۔ تعبدات شرعیہ میں کوئی شخص دوسرے شخص کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ نہ مکلف سے غیر کفایت کرسکتا ہے کام کرنے والا صرف اپنے لئے کام کرتا ہے۔ تربیت کرنے سے مکلف کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ نہ ہبہ کرنے سے ثابت۔ نہ اس سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ نقل اور حکمت ملحوظ رکھتے ہوئے نظر شرعی و تتبع کا یہی فیصلہ ہے۔

اس دعوی کی صحت پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

اوّل نصوص۔ (۱) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ کوئی جان بوجھ اٹھانے والی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (۲) وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ انسان کیلئے صرف وہی چیز ہے۔ جو اس نے کوشش کی۔ اس مضمون کی آیات مندرجہ ذیل سورتوں میں بھی ہیں۔

بنی اسرائیل نجم۔ انعام۔ فاطر۔ عنکبوت قصص۔ انفطار۔ لقمان سورۃ بقر وغیرہ نیز وہ روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا یہ مطلب ہے۔ کہ امور آخرت میں کوئی شخص کسی کے کام نہیں آوے گا۔

دوم حکمت عبادات ۔عبادت سے مقصود اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی اور اس کی طرف توجہ اور اس کے آگے ذلیل ہونا۔ اس کے حکم کے تابع ہونا۔ اور دل کو اس کے ذکر کے ساتھ آباد کرنا ہے۔ تاکہ انسان دل اور باقی اعضاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر اس کا مراقب۔ اور اس سے غافل نہ ہو۔ اس کی رضامندی اور اس کے قرب میں کوشش کرے۔ نیابت اس مقصود کے منافی اور اس کی ضد ہے۔ کیونکہ نیابت کی صورت میں بندہ بیزار ہوا جس سے خضوع اور توجہ کا مطالبہ تھا۔ اس کو توجہ اور خضوع حاصل ہوا۔ اس صورت میں تو نائب کو ہی خضوع اور توجہ کے ساتھ موصوف ماننا پڑیگا۔ کیونکہ توجہ اور خضوع وغیرہ صفات عبودیت کے ساتھ متصف ہونے کو کہتے ہیں۔ کسی وصف کے ساتھ متصف ہونا نہ متصف سے تجاوز کرسکتا ہے۔ نہ اس سے منتقل ہوسکتا ہے۔ نیابت کا یہ مطلب یہ ہے۔ کہ جس کی طرف سے نیابت ہے۔ وہ نائب کی طرح ہو جائے۔ نائب کی وصف اس کی جانب منتقل ہو جائے۔ تصرفات مالیہ میں جیسے یہ بات ہو سکتی ہے۔ عبادات میں نہیں ہو سکتی۔ اداءِ قرض میں نائب جب مقروض کی جگہ کھڑا ہو کر اس کا قرض ادا کرتا ہے۔ تو مقروض اس بات کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ کہ اس نے اپنا قرض ادا کردیا۔ اب قرض خواہ دوبارہ اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ اور عبادات میں اس قسم کا تصرف ہو نہیں سکتا۔ جب تک منوب عنہ نائب کی طرح متصف نہ ہو نیابت نہیں ہو سکتی۔ پس نیابت کی یہاں کوئی صورت نہیں۔

۳۔ اگر عبادات بدنیہ میں نیابت درست ہو۔ تو اعمال قلبیہ میں بھی نیابت درست ہونی چاہیے جیسے ایمان۔ صبر۔ شکر۔ رضا۔ توکل۔ خوف۔ رجا وغیرہ تو پھر کوئی شئے فرض عین

نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں نیابت ہو سکتی ہے۔ پس سارا ابتلاء عمل اور استنابت میں دائر ہوگا۔ اس طرح چاہئے۔ کہ نیابت ایسے عادیات میں بھی درست ہو۔ جن کا ثمرہ صرف عامل کو پہنچتا ہے۔ جیسے کھانا پینا، جماع، لباس وغیرہ۔ اسی طرح حدود و قیاس تعزیر وغیرہ میں۔ بالاتفاق نیابت باطل ہے۔ اسی طرح تعبدات میں بھی باطل ہونی چاہئے۔ کیونکہ وجہ اسکی یہی ہے۔ کہ ان احکام کی حکمتیں صرف عامل کے ساتھ مختص ہوتی ہیں۔ آیات قرآن جن کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ عام ہیں۔ ان میں تخصیص کا احتمال نہیں۔ کیونکہ یہ محکم ہیں۔ مکہ میں ان کا نزول کفار پر حجت قائم کرنے ان کے دعوے کو باطل کرنے اور ان کے اعتقاد عمل و نقل کو رد کرنے کے لئے ہوا۔ اگر ان میں خصوص کا احتمال ہوتا۔ تو نہ ان پر حجت قائم ہوتی۔ نہ ان کا رد ہوتا۔ مکی عمومات میں غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ تخصیص و نسخ اور دیگر امور معارضہ سے خالی ہوتی ہیں عقلمند کو چاہئے۔ کہ کلیات میں ان پر اعتماد کرے۔ اور ان سے منحرف نہ ہو۔

ان ادلہ کے خلاف دوسرے ادلہ

دلیل اوّل۔ وہ نصوص جن سے ایک کا دوسرے کے قائم مقام ہونا ثابت ہے (۱) وہ حدیثیں جن میں میّت کو زندہ کے رونے سے عذاب کا ذکر ہے (۲) تسبیب کے صورتیں ہیں دعا (۴) قرآن کریم میں ہے۔ ایمان والوں کی وہ اولاد جو ایمان میں ان کی پیروی کرے گی۔ وہ ان کے ساتھ ہوگی (۵) حج میں نیابت صوم میں نیابت۔

دلیل دوم۔ صدقہ غیر سے درست ہے۔ اور یہ عبادت ہے۔ کیونکہ صدقہ تب ہی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے حکم کی تعمیل کے لئے ہو۔

دلیل سوم۔ جیسے قتل خطا میں دیت اٹھاتے ہیں۔ اس طرح بعض کے نزدیک امام مقتدی سے قیام اور قراءت اٹھاتا ہے۔

دلیل چہارم۔ بعض اعمال بدنیہ میں عبادات کے علاوہ نیابت درست ہے۔

اسی طرح بعض بدنی عبادات میں اگرچہ فرض عین ہو۔ اسی طرح مالی عبادت میں بھی مکلف اپنی جگہ دوسرے کو نائب کر سکتا ہے جہاد عبادت ہے۔ اس میں نیابت درست ہے۔

دلیل پنجم۔ اعمال تکلیفیہ کا انجام یہی ہے۔ کہ انسان کو ان پر جزا ملے۔ انسان کو کبھی غیر عمل پر بھی جزا ملتی ہے۔ جیسے (۱) مصیبتیں (۲) نیت۔ مصیبتیں کفارہ بنتی ہیں۔ نیت سے اجر ملتا ہے۔

جواب۔ ہماری کلام الیسی عبادات کی نیابت میں ہو رہی ہے۔ جو اللہ کے قرب اور توجہ کا باعث ہوں۔ (۱) صدقہ میں نیابت صرف دینے میں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نائب کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ (۲) دعا میں نیابت نہیں وہ صرف شفاعت ہے۔ (۳) جہاد ان عبادات میں داخل نہیں جن کی حکمت معلوم نہ ہو۔ یا جن کی حکمت نیابت میں مقصود ہو۔ (۴) مصائب کا مسئلہ نیابت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا (۵) نیت کا مسئلہ بھی نیابت والا نہیں۔ بلکہ عمل قلیل پر جزاء کثیر ملنے کی صورت ہے۔ (۶) میت کو زندہ کے رونے سے عذاب ہونا تسبب کی صورت میں داخل ہے (۷) تسبب کی صورت میں اجر حاصل ہی کو ملتا ہے (۸) اولاد انسان کے کسب سے ہے۔ تو بچے کو والد کے ساتھ ملانا اصل میں والد کے لئے ہے (۹) احادیث صوم میں اضطراب ہے۔ بخاری و مسلم نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ اور نذر صوم والی روایت صرف عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ فرماتے ہیں۔

لا یصوم من احد عن احد — کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ نہ رکھے

طحاوی نے کہا ہے۔ کہ حدیث صام عنه ولیه (اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے) یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے مروی ہے۔ ان کا عمل اور فتویٰ

ل۱ راوی اگر حدیث کی مخالفت بوجہ اجتہاد کرے۔ تو اس حدیث سے استدلال کرنا اتفاقاً باطل نہیں ہوتا۔ اگر عمل کی وجہ معلوم نہ ہو۔ تو اس میں اختلاف ہے۔ راجح یہی ہے۔ کہ حدیث پر عمل کیا جائیگا راوی کے عمل کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اس کے خلاف ہے۔ باوجود اس کے یہ حدیثیں اصل قطعی (یعنے آیات قرآنیہ کے خلاف ہیں۔(۱۰) علماء کے یہاں تین گروہ ہیں (۱) امام احمد سب احادیث صحیحہ کو قبول کرتے ہیں (۲) امام شافعی صرف حج والی حدیث کو قبول کرتے ہیں۔ روزہ والی حدیث کو قبول نہیں کرتے (۳) امام مالک سب کو رد کرتے ہیں۔ نماز میں ان سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ کہ نیابت نہیں۔ حالانکہ حج میں دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ نماز طواف میں حج کے تابع ہوتی ہے (۱۱) بعض علماء نے ان احادیث کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ انبیا علیہم السلام کا یہ طریقہ ہے۔ کہ کسی کو فعل خیر سے منع نہ کریں۔ کیونکہ حج وصوم کے متعلق کرنے کا سوال ہوا۔ اس لئے آپ نے منع نہ کیا (۱۲) ممکن ہے۔ کہ یہ احادیث ان لوگوں کے لئے ہوں۔ جنہوں نے حج کا حکم یا وصیّت کی ہو یا ان کی کوئی کوشش ہو اس صورت میں احادیث آیات قرآنی کے موافق ہونگی۔

(۱۳) صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ ——— (ولی اس سے روزہ رکھے) کا یہ مطلب ہے۔ کہ ولی اس کی طرف سے صدقہ کرے[1] (۱۴) یہ احادیث باوجود قلت کے اصل قطعی کے معارض ہیں۔ تواتر لفظی اور معنوی کو نہیں پہنچیں۔ امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے[2] میں کہتا ہوں۔ بعض محققین نے ان احادیث کی جو میت کی طرف سے عمل اور صدقہ کرنے میں وارد ہوئی ہیں۔ ایسی توجیہ کی ہے۔ جس سے یہ احادیث قاعدہ قطعیہ کے خلاف نہیں بنتیں۔ قاعدہ قطعیہ کا اقتضاء یہ ہے۔ کہ عبادات محضہ کی غرض۔

---

[1] یہ معنے ظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ اگر ولی سے بچہ مراد لیا جاوے۔ تو بہتر ہے۔

[2] مدنی مغربی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ یہ خبر قاعدہ پر مقدم ہوتی ہے۔ بغدادی روایت کرتے ہیں۔ کہ قاعدہ خبر پر مقدم ہوتا ہے۔ مصنف نے ابن عربی سے نقل کیا ہے۔ کہ امام مالکؒ کا مشہور قول جو انتقاد کے قابل ہے۔ یہ ہے۔ جو حدیث قاعدے کے معارض ہو۔ اگر دوسرا قاعدہ اس کو قوت دے۔ تو قبول ہوگی ورنہ نہیں

خضوع توجہ الی اللہ اور تزکیۂ نفس ہے، چونکہ نیابت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے نیابت درست نہیں ہوئی۔ مگر بعض عبادات میں نیابت کی صورت اور وجہ سے ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:-

وَالسِّرُّ فِيْهِ شَيْئَانِ اَحَدُهُمَا رَاجِعٌ اِلَى الْمَيِّتِ فَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النُّفُوْسِ الْمُفَارِقَةِ اَجْسَادَهَا تُدْرِكُ اَنَّ وَظِيْفَةً مِّنَ الْوَظَائِفِ الَّتِيْ يَجِبُ عَلَيْهَا وَيُؤَاخَذُ بِتَرْكِهَا فَاتَتْ مِنْهَا فَتَتَأَلَّمُ وَتَبْقٰى فِيْ ذٰلِكَ كَالْمُتَحَيِّرِ بِالْوَحْشَةِ فَكَانَ الْحَدَبُ عَلٰى مِثْلِهِ اَنْ يَقُوْمَ اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْهُ وَاَوْلَاهُ بِرِّهٖ فَيَعْمَلُ عَمَلًا يَقْصِدُ اَنْ يَّقَعَ عَنْهُ فَاِنَّ هِمَّتَهٗ تِلْكَ تُفِيْدُ كَمَا فِي الْقَرَابِيْنِ اَوْ يَفْعَلُ فِعْلًا آخَرَ كَذٰلِكَ حَالُ مَنْ مَاتَ قَالَ اَجْمَعَ عَلٰى صَدَقَةٍ تُصُدِّقَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ..... وَالثَّانِيْ رَاجِعٌ اِلَى الْمِلَّةِ وَهُوَ التَّاكِيْدُ الْبَالِغُ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ الصَّوْمَ لَا يَسْقُطُ۔

(حجۃ البالغہ جلد ثانی صفحہ ۴۰)

اس میں دو بھید ہے۔ ایک کا تعلق میت کے ساتھ ہے جس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ بہت سی ارواح پر شفقت کا اقتضا ہی ہے۔ کہ جو اپنے بدنوں کو چھوڑ دیتی ہیں جب اس بات کا خیال کرتی ہیں۔ کہ فرضی چیزوں سمجھ کے چھوڑنے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ کوئی چیز فوت ہو چکی ہے۔ تو اس وقت ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور نہایت درجہ کی وحشت ان کو لاحق ہوتی ہے۔ ایسی ارواح پر شفقت کا اقتضا یہی ہے۔ کہ جو ان کا زیادہ نزدیکی ہو وہ نائب ہو کر ادا کرے اسکی ہمت کا فائدہ ہوگا اس طرح جو صدقہ کا پختہ ارادہ کرکے مرجائے اس سے اسکی ولی صدقہ کرے دوسرا بھید جس کا تعلق ملت کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کو کمال درجہ کی تاکید معلوم ہو اور یہ بھی کہ روزہ کسی حالت میں بھی نہیں گرتا۔ ۱۲

شاہ ولی اللہ صاحب نے نیابت کی پہلی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ روح کو جو ضروری امور میں کوتاہی کے علم کے وجہ سے وحشت اور تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ وہ دور ہو جائے۔

یہ نیابت اس لئے نہیں کہ میت کو خضوع اور خشوع یا توجہ الی اللہ یا عبودیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ جن امور میں نیابت کا ذکر آیا ہے۔ وہ ایسے ہیں جن میں کوتاہی عام طور پر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فرائض دو قسم پر ہیں۔ موقت و غیر موقت۔ غیر موقت کی مثال حج، قضاء رمضان، نذر غیر معین ان چیزوں میں عام طور پر کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اگر ترک کا ارادہ نہ کرے تو ممکن ہے نفس ترک پر کوئی اتنا گناہ نہ ہو۔ کیونکہ ان کا وقت معین نہیں۔ مگر اور اک ترک فعل پر جو وحشت لاحق ہوتی ہے وہ صرف نفس کا ایک فطرتی کام ہے۔ اس کے لئے شریعت نے جو دنیوی امور میں سلسلۂ اسباب و مسببات کا جاری ہے۔ اس کا لحاظ رکھا ہے۔ یعنے جیسے وہ وحشت و تنگی علم کی بنا پر لاحق ہوتی ہے۔ اس طرح وہ ولی کے فعل سے دور جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حقوق کو قرض کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور ان امور میں نیابت وارد ہے۔ جو میت پر لازم تھے۔ اور ان کے لئے وقت معین نہ تھا۔ یا اس نے اس کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ دوسری بات یہ بیان کی ہے کہ اس کے لزوم کی تاکید زیادہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر لازم امور میں نیابت کی کوئی صورت نہیں۔

احادیث نیابت

۱۔ نذر حج کی حدیث صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ کہ ایک عورت جہینہ قبیلہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اس نے کہا میری ماں نے حج کی نذر مانی اور حج کرنے کے بغیر مر گئی کیا میں اس کی طرف سے حج کروں۔ فرمایا۔ کر و بھلا بتاؤ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو ادا کرتی۔ اللہ کا حق ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ وفا کا زیادہ مستحق ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ میری ماں فوت ہو گئی ہے۔ اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں مسلم میں روزے اور حج کا دونوں کا ذکر ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے۔ ایک آدمی نے کہا میری ہمشیرہ نے حج کی نذر مانی۔ اور وہ فوت

ہو گئی حضور نے فرمایا۔ اگر اس پر قرض ہوتا تو ادا کرتا ہو کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے قرض کو ادا کرو۔ وہ ادا کا زیادہ مستحق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے اگر اخت کا لفظ محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے۔ کہ بھائی نے اپنی ہمشیرہ اور لڑکی نے والدہ کے متعلق پوچھا ہو حافظ کی اس کلام سے ہمشیرہ والی روایت میں تردد اور ام یعنی ماں کا لفظ زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ زندے عاجز سے حج میں نیابت۔ بخاری میں ہے۔ ایک عورت نے کہا میرے باپ پر حج فرض ہے۔ وہ سواری پر ٹھہر نہیں سکتا۔ کیا میں اس سے حج کروں۔ فرمایا ہاں۔ ۳۔ ابو داود میں ہے۔ کہ حضور نے ایک آدمی سے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ یا اللہ میں شبرمہ کی طرف سے حاضر ہوں۔ فرمایا۔ شبرمہ کون ہے۔ اس نے کہا میرا بھائی ہے یا نزدیکی فرمایا۔ تو نے اپنا حج ادا کیا ہے۔ اس نے کہا۔ نہیں فرمایا پہلے اپنا حج ادا کرو۔ پھر شبرمہ کا۔ حافظ کہتے ہیں۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے امام کے نزدیک اس کے موقوف ہونے کو ترجیح ہے۔ ابن منذر نے کہا۔ اس کا رفع ثابت نہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں عزرہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے۔ کہ نسائی نے کہا جس عزرہ سے قتادہ روایت کرتا ہے۔ وہ قوی نہیں۔ حافظ نے تلخیص میں کہا ہے۔ اس حدیث میں عزرہ بن عبدالرحمٰن ہے۔ علی بن مدینی و یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ کہا ہے (۴) بخاری میں عبداللہ بن عباس سے ہے۔ فرمایا۔ ایک آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ صلعم میری ماں مر گئی ہے۔ اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ میں اس کی طرف سے قضا ادا کر دوں۔ فرمایا۔ ہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مر جائے۔ اور اس پر روزے ہوں اس کا ولی اس سے روزے رکھے۔ فتح الباری میں ہے۔ بعض اہل ظاہر وجوب کے قائل

ہیں۔ اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔ میت کی طرف سے روزے رکھے جا سکتے ہیں
امام مالکؒ امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ میت کی طرف سے روزے نہ رکھے
جائیں۔ لیث احمد اسحٰق فرماتے ہیں۔ صرف نذر کے روزے رکھے جائیں۔

فائدہ۔ ولی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے ہر قریبی مراد لیا ہے۔ اور
بعض نے وارث کا قصد کیا ہے۔ بعض نے عصبہ کا۔ حافظ نے کہا۔ اول احتمال زیادہ
راجح ہے دوسرا بھی قریب ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ ولی ہی کے ساتھ نیابت
مخصوص ہے۔ یا اجنبی بھی نائب ہو سکتا ہے۔ عبادت بدنیہ میں چونکہ اصل عدم نیابت
ہے اس لئے زندگی میں نیابت جائز نہیں اس طرح وفات کے بعد۔ اب جہاں
دلیل وارد ہے۔ وہاں ہی اسکو سمجھنا چاہیئے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہی راجح
ہے۔ امام بخاری نے عام لکھا ہے۔ قرض کے ساتھ تشبیہ سے اس کی تقویت ہوتی
ہے۔ بعض علماء کا یہ مذہب ہے۔ کہ صرف بیٹے کے ساتھ مخصوص ہے۔ ابن وہب
اور مصعب مالک کے اصحاب اس طرف گئے ہیں حنفیہ اور مالکیہ نے کہا ہے۔ اگر میت
وصیت کرے۔ تو نذر مالی کا فرض ادا ہوتا ہے۔ ورنہ نہیں بخاری میں ہے۔ عبداللہ بن عمر نے
ایک عورت جس کی ماں نے قبا میں نماز پڑھنے کی نذر کی مانی تھی حکم دیا۔ تو اس کی طرف
سے نماز پڑھ۔ اس طرح عبداللہ ابن عباس نے کہا ہے۔ ابن منیر نے کہا ہے۔ کہ عبداللہ بن
عمر نے اس فرمان کو ملحوظ رکھا ہے۔ جو آپ نے فرمایا ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا
عمل سوائے تین کے منقطع ہو جاتا ہے۔ ان تین سے بچہ بھی ہے۔ ولد الانسان کے
کسب سے ہے۔ اس کے نیک اعمال والد کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ اس کی طرف
سے نماز پڑھنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ تم خود نماز پڑھو۔ اور تمہاری نماز اس کے لئے لکھی
جائے گی۔ اگرچہ تم نیت اپنی طرف سے کرو۔ حافظ کہتے ہیں۔ یہ تکلف ہے۔ فتح الباری میں لکھا
ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے بسند صحیح مروی ہے۔ لا یحج احد عن احد (کوئی شخص

کسی سے حج نہ کرے) سعید بن منصور نے اس کو روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق نے عبداللہ
بن عباس سے روایت کیا ہے ولا یصوم احدٌ عن احدٍ۔ کوئی کسی سے روزہ نہ رکھے)
موطا میں امام مالکؒ سے ہے۔ لا یصلی احدٌ عن احد ولا یصوم احد عن احد
نہ کوئی کسی سے نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، عبدالملک نے دو مرسل سندوں سے روایت کیا
ہے۔ حج عنہ و لیس لاحد بعدك (حج کرو۔ اور تیرے بعد کسی کو اجازت نہیں) حافظ
کہتے ہیں دونوں سندیں ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضؓ سے یہ روایت کی ہے۔ حجّ عن ابیك
فان لم یزده خیرا لم یزده شرا۔ (اپنے باپ سے حج کرو اگر اس کو فائدہ نہ دیگا تو تکلیف
بھی نہ دیگا) حافظ کہتے ہیں۔ یہ روایت شاذہ ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے۔ امام نووی نے
شرح مسلم میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ دعا میت کو پہنچتی ہے۔ اسی طرح
صدقہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ بچے کی خصوصیت صرف قرض کی
ادائیگی میں اجماع نقل کیا ہے صحیح یہ ہے۔ کہ صدقہ صرف بچہ کا پہنچتا ہے۔ اسی
طرح حج اولاد اور غیر اولاد سے پہنچتا ہے۔ آزاد کرنا اولاد کا والد کی طرف سے مفید
ہے۔ اسی طرح بچہ اگر والدین کی طرف سے نماز پڑھے۔ یا روزہ رکھے۔ تو جائز ہے
روزہ ولی کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ ادلہ کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بچہ
کی طرف سے نماز اور روزہ میں والدین کی نیابت ہو سکتی ہے۔ نماز سے مراد نفلی نماز
ہوگی۔ اور روزہ عام ہے۔ فرض ہو۔ یا نفل۔ مگر فرض میں نیابت زیادہ موکد ہے۔
یاد رکھنا چاہئے۔ کہ فرض سے مراد وہ فرض ہے۔ جو غیر معین ہو جیسے قضا یا نذر غیر
معین اسی طرح اگر بچہ والدین کی طرف سے ان کی وصیت یا بدون وصیت کے
حج کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر والدہ یا والد نے صدقہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا
ہے۔ اور فوت ہو گئے ہیں۔ تو اولاد کو ان کی طرف سے صدقہ دینا چاہئے۔ حج
بچے کے سوا دوسرے کی طرف سے ہو سکتا ہے بھائی یا اور کوئی قریبی۔ نماز فرضی

پنجوقتی، روزہ رمضان میں نیابت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو آثار نماز روزہ میں نیابت کی نفی کرتے ہیں کہ ان میں نیابت نہیں۔ ان سے فرضی ماپنجوقتی اور فرضی روزہ رمضان وغیرہ یا نذر مراد لینی چاہیئے۔ اس طرح جن آثار میں یہ وارد ہُوا ہے۔ کہ حج میں نیابت نہیں۔ ان کا یہ مطلب ہے۔ جب اصل کر سکے۔ تو اس میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ نیابت بعض کے نزدیک غیر منقح ہے۔ اس لئے انہوں نے نیابت میں فرق ہے۔ حنفیہ عبادت بدنیہ میں نیابت کے قائل نہیں۔ مالی اور مرکب میں بشرط وصیت یا حکم نیابت کے قائل ہیں۔ اس شرط کے سوا اور کسی جگہ وہ نیابت کے قائل نہیں۔ جن لوگوں نے حدیث اذا مات الانسان انقطع عملہ۔ (جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کا عمل سوائے تین چیزوں کے منقطع ہو جاتا ہے) اور آیت وان لیس للانسان الا ما سعٰی (انسان کے لئے صرف اس کی کوشش ہے) کو عام رکھا۔ اور باقی ادلّہ کو انہی کی طرف لوٹانے کی کوشش کی۔ تو انہوں نے سوائے اولاد کے نیابت کو جائز نہیں سمجھا اور اولاد کو انسان کی کوشش میں داخل کر کے آیت کی مخالفت سے بچے ہمشیرہ والی حدیث کو مرجوح اور شبرمہ والی روایت کے موقوف ہونے کو ترجیح دے کر استدلال کے قابل نہیں سمجھا۔ ان کے نزدیک نیابت کا وجود ہی نہیں جیسے مالکیہ جنہوں نے الفاظ حدیث کو دیکھ کر آیت اور حدیث کی تخصیص کی۔ انہوں نے نیل والا راستہ پسند کیا ہے۔ جن لوگوں نے قیاس کو لیا۔ انہوں نے اجنبی کے لئے نیابت ثابت کی مگر مطلقاً ہر عمل میں اور ہر شخص سے ہر حالت میں (زندگی ہو یا موت) نیابت کا کوئی قائل نہیں۔ ہر شخص نیابت کو خاص جگہ ہی مانتا ہے۔ اسہل طریقہ امام شوکانیؒ کا ہے۔ مگر بچے کے عمل کے متعلق (بلا وصیت و تسبب و خیال وصیت) کے یہ خیال رکھنا کہ والدین کو پہونچتا ہے۔ اس پر بھی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔

اهداء ثواب

نیابت اور اہداء میں فرق۔ نیابت میں عامل اپنے آپ کو دوسرے شخص کے قائم مقام قرار دیتا ہے۔ جیسے حج میں اگر نائب ہو تو یہ کہتا ہے کہ یا اللہ میں فلاں شخص کی طرف سے حاضر ہوں۔ یا دل ہی سے یہ خیال رکھے کہ میں فلاں کی سے حج کر رہا ہوں۔ اہداء ثواب کی صورت یہ ہیں۔ کہ حج اپنی طرف سے کرے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کو کہے۔ کہ یا اللہ میرے اس حج کا ثواب فلاں شخص کو دینا۔ اسی طرح نماز پڑھے۔ اور بعد میں کہے۔ کہ اس نماز کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے۔ اس کے بعد یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اہداء میں حنفیہ عموم کے قائل ہیں۔ یعنے عبادت بدنی، مالی مرکب سب میں کہتے ہیں۔ کہ ان کا ثواب عامل جس کو چاہے۔ دے سکتا ہے۔

اَلْاَصْلُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلٰوةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَیْرَهَا عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لِمَا رُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ضَحّٰی بِكَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ نَفْسِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ اُمَّتِهٖ۔

اصل اس باب میں یہ ہے۔ کہ ان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب (خواہ نماز ہو یا روزہ۔ یا صدقہ وغیرہ) غیر کو دے۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کئے۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔

ہدایہ مجتبائی جلد ۱ صفحہ ۲

اس جگہ حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ صاحب کتاب کا یہ مطلب نہیں جو مخالف وہ اہلسنت سے خارج ہے۔ کیونکہ امام مالک اور امام شافعی عبادات محضہ بدنیہ میں جیسے نماز روزہ ہے وصول ثواب کے قائل نہیں بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ ہمارے اصحاب کو اتباع میں اتنا کمال ہے جو دوسروں کو نہیں۔

تنبیہ۔ بادف عالی میں جب ردوع میں نیت ایصال ثواب کی منضم ہو جائے۔ تو اس صورت میں نیابت اور ایصال ثواب میں فرق واضح نہیں رہتا۔ ہاں جب وقت عبادت نیت ایصال نہ ہو فراغت کے بعد ثواب منتقل کرانا چاہئے۔ تو یہ صورت ایصال ثواب کی نیابت

سے الگ ہو جاتی ہے پہلی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ مولینا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" میں بدعات حقیقیہ کی مثالوں میں فرماتے ہیں "ہبہ ثواب عبادات احیاء برائے اموات بخلاف نیابت در عبادات مالیہ کہ آں ثابت الاصل است (زندوں کا مردوں کو عبادات کا ثواب بخشنا بدعت حقیقیہ ہے بخلاف نیابت کے مالی عبادات ہیں کہ وہ اصل میں صحیح ہے) صراط مستقیم میں جو ہبہ ثواب کے جواز کی صورت معلوم ہوتی ہے۔ وہ مولنٰنا کی عبارت نہیں۔ بلکہ ان کے پیر سید احمد صاحب کی کتاب کی ہے صرف کتابت ان کی ہے۔ ان کا مذہب وہی ہے جو ایضاح الحق میں بیان ہوا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ ان کا پہلے یہی خیال ہو۔ کہ ہبہ ثواب جائز ہے بعد میں رائے بدل گئی ہو۔ شاہ ولی اللہ خیر کثیر ص۱۱۱ مطبوعہ بجنور میں فرماتے ہیں:-

وَالَّذِیْ تَحَقَّقَہٗ ذَوْقُنَا اَنَّہٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّعْمَلَ لِلْمَیِّتِ اِلَّا عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَوْجُہٍ۔ اِمَّا اَنْ یُّبَرَّ بِاَقَارِبِہٖ وَاَحْبَابِہٖ فَکَاَنَّہٗ یُبَرُّ بِہٖ وَاِمَّا اَنْ تَزُوْرَہٗ وَیَقْرَأَ عِنْدَہُ الْقُرْاٰنَ فَیَاْنَسَ بِہٖ وَاِمَّا اَنْ یَّنُوْبَ عَنْہُ فَیَتَصَدَّقَ عَنْہُ اَوْ یُعْتِقَ عَنْہُ وَیَحُجَّ عَنْہُ کَمَا فِی الْحَوَالَۃِ عَنِ الْمَیِّتِ وَغَیْرِھَا وَاِمَّا اَنْ تَسْتَغْفِرَ اللّٰہَ لَہٗ فَیَقْبَلَ بِفَضْلِہٖ وَلْیَرْفَعَہٗ دَرَجَاتِہٖ وَیَتَجَاوَزَ عَنْ سَیِّاٰتِہٖ وَاَمَّا مَا سِوٰی ذٰلِکَ مِنَ الْاِسْتِمْدَادِ وَغَیْرِھَا فَلَیْسَ بِشَیْءٍ

(ہمارے ذوق نے یقین کیا ہے کہ میت کیلئے ان چار طریقوں کے علاوہ عمل کرنا جائز نہیں (۱) اس کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ نیکی کی جائے گویا اس کے ساتھ کی جاتی ہے (۲) اس کی زیارت کرے اور وہاں قرآن پڑھے تاکہ اسکو انس حاصل ہو (۳) یا بصورت نیابت اس کے صدقہ کرے یا آزاد کرے یا حج کرے جیسے میت سے حوالہ وغیرہ میں ہوتا ہے (۴) یا اس کے لئے استغفار کرے پس اپنے فضل سے اسکو قبول فرمائے اور اس کے درجات بلند کرے اسکی برائیوں سے درگذر کرے ان چار طریقوں کے سوا استمداد اور فاتحہ وغیرہ کوئی شے نہیں)

اس عبارت سے بھی اہداء ثواب کی نفی نکلتی ہے۔ اگر کسی دوسری جگہ ایصال ثواب ذکر کیا ہے۔ تو وہ اس تحقیق سے پہلے سمجھنا چاہئے۔ بزرگوں کی عبارتیں ہم اس لئے نقل نہیں کرتے۔ کہ ان سے استدلال کریں۔ بلکہ اس لئے نقل کرتے ہیں۔ کہ اس اجماع کی حقیقت معلوم ہو جو بعض لوگ بلا دلیل ہر جگہ پیش کر دیتے ہیں۔ منار میں علماء حنابلہ سے شیخ الاسلام کی عبارت کتاب الفروع سے اس طرح نقل کی ہے۔

اہداء ثواب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَالَ شَيْخُنَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عَادَةِ السَّلَفِ إِهْدَاءُ ذٰلِكَ إِلَى مَوْتَى الْمُسْلِمِيْنَ بَلْ كَانُوْا يَدْعُوْنَ لَهُمْ فَلَا يَنْبَغِي الْخُرُوْجُ عَنْهُمْ وَلَا يُهْدِ الْمَرْءُ شَيْئًا لِمَنْ لَهُ أَجْرُ الْعَامِلِ كَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَلِّمِ الْخَيْرِ بِخِلَافِ الْوَالِدِ لِأَنَّ لَهُ أَجْرًا كَأَجْرِ الْوَلَدِ لِأَنَّ الْعَامِلَ يُثَابُ عَلَى إِهْدَائِهِ فَيَكُوْنُ لَهُ مِثْلُهُ أَيْضًا فَإِنْ جَازَ إِهْدَاؤُهُ فَهَلُمَّ جَرًّا يَتَسَلْسَلُ ثَوَابُ الْعَامِلِ الْوَاحِدِ وَإِنْ لَمْ يَجُزْ فَمَا الْفَرْقُ بَيْنَ عَمَلٍ وَعَمَلٍ وَإِنْ قِيْلَ يَحْصُلُ ثَوَابُهُ مَرَّتَيْنِ لِلْمُهْدٰى لَهُ وَلَا يَبْقٰى لِلْعَامِلِ

(اور اہل اسلام سے مردوں کو ثواب بخشنے کا دستور نہ تھا۔ وہ صرف ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ اس طریقہ سے باہر ہونا لائق نہیں اور ہمارے شیخ بھی اسی واسطے اس اہداء کو اس قسم میں داخل نہیں کرتے تھے۔ جہاں غیر عامل کو عامل جتنا مرتبہ ملتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معلم خیر ان کو عامل کا اجر پورا ملتا ہے۔ والد کو ولد کا پورا اجر نہیں ملتا۔ کیونکہ عامل کو اہداء ثواب پر ثواب ملنا چاہئے۔ تو پہلے جتنا ہوگا۔ اگر اس ثواب جدید کا پھر بخشنا کرنا جائز ہو۔ تو عامل کے ایک ثواب میں تسلسل پیدا ہو جائیگا۔ اگر جائز نہیں۔ تو دونوں میں کیا فرق ہے۔ اگر کہا جائے جس کو بخشا گیا ہے۔ اس کو دو دفعہ ثواب ملیگا۔ اور عامل کے لئے ثواب نہیں رہیگا تو یہ صورت خلاف حکمت

ثواب فلم يشرع الله لاحد ان ينفع غيره في الآخرة ولا ينفعه له في الله ادنى فيتقرر لك اولا ولا يكن مدعاة له ونحوه لانه مكافاة له كمكافاة لغيره ينتفع به المدعو له وللعامل اجر المكافاة وللمدعو له مثله فلم يتعضد ذلك لم يتسلسل ولا يتصل اجر الا من الله

ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مشروع ہی نہیں کیا۔ کہ انسان آخرت میں غیر کو نفع دے اور اس کو دونوں جہان میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ کیونکہ اس میں ضرر ہی ضرر ہے۔ دعا وغیرہ بطور اعتراض پیش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ دراصل عوض معاوضہ کی صورت ہے۔ اس صورت میں جس کے حق میں دعا کی گئی ہے اس کو بھی فائدہ ہے۔ اور عامل کو بھی۔ اس میں ضرر اور تسلسل کی صورت نہیں۔ اجر بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے ہی مانگا جاتا ہے، اسی کتاب میں ذکر کیا ہے رب سے پہلے جس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ثواب بخشا۔ وہ علی بن موفق ہیں۔ **موافقات**۔ میں امام ابو اسحٰق فرماتے ہیں۔ ہبہ ثواب کے منع میں دو وجہیں ہیں۔ (۱) ہبہ شریعت میں ایک مخصوص جگہ ثابت ہے۔ مال میں اعمال کے ثواب میں کوئی صورت نہیں۔ جب اس پر دلیل نہ ہوئی۔ تو اس کا قائل ہونا درست نہیں (۲) ثواب اور عقاب شارع کے مقرر کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔ جیسی مسببات اسباب کے اعتبار سے معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

(۱) تِلْكَ حُدُودُ اللهِ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں)

(۲) وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ۔ (جو اللہ اور اس کی رسول کی اطاعت کریگا اس کو اللہ جنت میں داخل کریگا۔)

(۳) وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا۔ (جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں کو توڑ دے تو اسکو اللہ آگ میں داخل کریگا۔ وہ اسمیں ہمیشہ رہیگا)

(۴) جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (بدلہ ہے اسکا جو وہ عمل کرتے تھے)

(۵) اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (جنت میں عمل کرنے کے سبب داخل ہو جاؤ)
یہ بات قرآن میں بہت جگہ ہے۔ نیز ثواب کا تعلق عمل سے ایسا ہوتا ہے جیسے تابع
کا متبوع سے ہوتا ہے جیسے عقد مبیع متبوع ہے۔ اور مبیع سے فائدہ اٹھانے
کا جواز تابع ہے۔ شرمگاہ سے فائدہ اٹھانا عقد نکاح کے تابع ہے۔ اسمیں مکلف کا
کوئی اختیار نہیں نیز یہ ثواب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس صورت میں عامل کو اسمیں نہ کوئی اختیار رہا۔
اور نہ حق تصرف کیونکہ تصرف ملک اختیاری کے تابع ہوتا ہے جزا اختیاری چیز نہیں اس کے بعد جواز کیلئے
دو دو چیزیں ذکر کی ہیں۔ ایک ہبہ مال پر اس کو قیاس کیا جاویگا۔ یا ادلہ ہبہ کے عموم اور اطلاق
میں ان کو داخل کیا جاویگا۔ صدقہ غیر عدہ ہبہ ثواب ہی ہوتا ہے (۲) جب جزاء کو
عمل کی طرف سے اس طرح نسبت ہوتی ہے۔ جیسے سبب کی مسبب کی طرف یا تابع
کی متبوع کی طرف تو عامل کا ملک ثابت ہوا۔ جب ثابت ہوا۔ تو ہبہ بھی جائز ہوا۔
میں کہتا ہوں۔ کہ ہبہ ثواب کو ہبہ مال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ
مال تو مقبوض چیز قابل انتقال ہے۔ اور ثواب اس کیفیت قلبیہ کے تابع ہے۔
جو عامل کو عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا انتقال ممنوع ہے۔ اور صدقہ میں
نیابت کی صورت ہو سکتی ہے۔ جیسے شاہ ولی اللہ نے بیان کیا ہے۔ یا اس کا فائدہ
اس قسم کا ہوتا ہے۔ جس میں ہماری کلام نہیں۔ جزاء کی نسبت تابع والی ہونے سے یہ لازم
نہیں آتا۔ کہ عامل اس معنی سے مالک ہو۔ کہ اس کو صرف کرنے کا اختیار ہے مثلاً عتق
آزاد ہونا آزاد کرنے کے تابع ہے۔ مگر عتق کے بعد اس کی نسبت ولاء کے انتقال کا
عامل کو حق نہیں۔ اسی طرح نسب فعل اختیاری کے تابع ہے۔ مگر اس کی نقل ممتنع
ہے۔ (اب ہدایہ کی دلیل کو دیکھو) یہ حدیث ابن ماجہ مسند احمد مستدرک
حاکم، بزار طبرانی وغیرہ میں ہے۔ اس حدیث کا مدار عبداللہ بن محمد بن عقیل پر ہے۔ ابن
ابی حاتم نے علل میں کہا ہے:
تَاضْطَرَبَ فِيْهِ ابْنُ عَقِيْلٍ قَالَ (اس حدیث میں ابن عقیل مضطرب ہے۔)

اَبُوْزُرْعَۃَ کَانَ لَا یَضْبِطُ حَدِیْثَہٗ ۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں۔ وہ حدیث کو ضبط نہیں کرتا تھا اور دیگر اسانید بھی اس کی قوی نہیں۔ حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ یہ مختلف فیہ ہے۔ اور اس کی سند میں اختلاف ہے۔ مسلم کی روایت کے اور لفظ ہیں۔ اس میں یہ ذکر ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھے کو ذبح کیا۔ اور فرمایا یا اللہ اس کو محمد آل محمد اور امت محمد سے قبول فرما۔ یعنے ایک مینڈھے کو اپنی اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے ذبح کیا۔ صحیحین میں دو مینڈھوں کی حدیث موجود ہے۔ مگر اس میں وہ لفظ نہیں جو ابن عقیل کی روایت میں ہیں۔ حافظ خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بکری ایک مرد اور اس کے گھر والوں سے کفایت کرتی ہے۔ جو اد کتنے ہوں ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ مالکؒ اوزاعیؒ شافعیؒ احمد بن حنبلؒ اسحق بن راہویہ جائز سمجھتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ مکروہ جانتے ہیں۔ نووی نے کہا ہے۔ طحاوی کا یہ فتویٰ ہے۔ کہ یہ حدیث منسوخ ہے یا مخصوص۔ علما نے اس کی تغلیط کی ہے۔ کیونکہ نسخ و تخصیص کا ثبوت صرف دعوےٰ سے نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت امت کی طرف سے ایسی ہے جیسے قیّم یعنے خبرگیر ولی کی گھر والوں سے۔ جیسے ایک مرد اپنی اور گھر والوں کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی۔ اپنی آل۔ اور اپنی امت کی طرف سے کی ہے۔ اس معنی سے حدیث میں تخصیص ہو سکتی ہے۔ قرآن میں ہے :-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ۔ نبی مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہے

صدقہ فطر جو باپ چھوٹے بچے کی طرف سے کرتا ہے۔ دراصل اس کا وجوب باپ پر ہوتا ہے۔ اگر بچے کا مال نہ ہو۔ تو باپ اپنے مال سے ادا کرتا ہے۔ اگر نہ کرے۔ تو باپ ہی گنہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح قربانی دراصل گھر کے خبرگیر پر ہوتی ہے۔ خواہ وہ سب گھر والوں کی طرف سے ہو۔ اس طرح جو آنحضرت صلعم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی۔ وہ

ایسی ہے جیسے ایک آدمی اپنے گھر والوں کی طرف سے کرتا ہے۔ یا چھوٹے بچے کی طرف سے جس کا مال نہ ہو۔ صدقہ فطر ادا کرتا ہے۔ عامل یہاں اپنے لئے کام کرتا ہے۔ اس لئے حدیث سے ایصال ثواب کا مسئلہ حل نہیں ہوتا (۲) اس حدیث میں جو یہ لفظ ہیں۔ کہ اس شخص کی طرف سے ہے۔ جس نے میری امت سے قربانی نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں زندے مراد ہیں۔ نہ مردے۔ زندوں سے بھی نہ کرنے والے مراد ہیں۔ پس دراصل اشارہ ہے۔ کہ میں نے ان کی طرف سے قربانی کی۔ اور میں ان کا ولی ہوں۔ زندہ کو مال ہبہ کرنا پھر ان سے نائب ہو کر صدقہ کرنا ایک امر دیگر ہے (۳) اس حدیث میں زیادہ سے زیادہ نیابت معلوم ہوتی ہے۔ نہ ایصال ثواب۔ اگرچہ آپ دونوں نفع رسانی، یہاں ایک ہی ہے۔ مگر حقیقت دونوں کی الگ الگ ہے۔ اس لئے ایصال ثواب پر استدلال کرنا درست نہیں (۴) اس حدیث میں مالی عبادت میں نیابت معلوم ہوتی ہے۔ نہ ہر عبادت میں ایصال ثواب کا تو پتہ ہی نہیں باقی رہا قربانی کرنا سو قربانی کرنا ایسا امر ہے۔ جس میں ادلہ کی رو سے نیابت درست ہے یہی وجہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اپنی قربانی کرنے کے لئے کسی شخص کو کہے۔ اگر اس کے دل میں اخلاص نہ ہو۔ تو اس کے عدم اخلاص سے اصل کی قربانی میں خلل نہیں آتا قربانی کرنا ایک مالی تصرف کی طرح ہوا۔

ایصال ثواب کی دوسری دلیل حضرت علی فرماتے ہیں۔ مجھے رسول صلعم نے وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے صرف شریک اس کو بیان کرتے ہے۔ وہ اتنا ثقہ نہیں:-

صَدُوْقٌ یُخْطِئُ کَثِیْرًا تَغَیَّرَ حِفْظُہٗ	سچا ہے خطا بہت کرتا ہے۔ جب سے کوفہ کا
مُنْذُ وَلِیَ قَضَاءَ الْکُوْفَۃِ۔	قاضی بنا ہے اسکا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

اس حدیث میں وصیت کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ حدیث نیابت کی صورت میں داخل ہوگی۔ (۲) پھر صدقہ مالی کی صورت ہے۔ جس میں وصیت کے بعد نیابت درست ہے۔ ایصال ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں (۳) ہدیۃ الحرمین میں فتاوے اوزجندی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلعم کے فرزند فوت ہوئے ہیں۔ تو تیسرے روز

ابوذر خشک کھجور اور دودھ جس میں جو کی روٹی تھی۔ لاتے ہیں۔ پس رسول صلعم نے فاتحہ اور سورۂ اخلاص تین دفعہ پڑھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اور منہ پر ہاتھ پھیرے۔ پس رسول صلعم نے ابوذر کو کہا۔ کہ تم تقسیم کرو۔ اور فرمایا میں نے اس کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ حکایت کسی نے مروجہ رسم تیجا کو دیکھ کر بنائی ہے۔ یہ قصہ بناوٹی ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی کے فتاویٰ جلد دوم ص۲۶۲ پر ہے۔

استفتاء

ہم نے ہدیۃ الحرمین دیکھا ہے۔ کہ حضرتؐ نے اپنے صاحبزادے ابراہیمؓ کے سوم و دسویں و بیسویں و چہلم وغیرہ میں چھوہارے وغیرہ پر فاتحہ دیا۔ اور صحابیوں کو کھلایا۔ پس فی زمانناً پھول، پان وغیرہ کرنے سے چہلم و دسویں و بیسویں میں مانع ہوتے ہیں، کیسا ہے۔

ھو المصوب ۔ یہ قصہ ہدیۃ الحرمین میں لکھا ہے محض غلط ہے کتب معتبرہ میں اس کا کوئی نشان نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی

تجاوز عن ذنبہ الجلی والخفی

(مہر: محمد عبدالحی ابوالحسنات)

میں کہتا ہوں، اس قسم کی بناوٹوں نے اہل اسلام کو خراب کر دیا ہے۔ اہل اسلام کو چاہیئے۔ کہ جادۂ مستقیم پر جو سلف کا طریقہ ہے۔ قائم رہنے کی کوشش کریں۔

(۴) دارقطنی میں ہے۔ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ صلعم میرے والدین تھے میں ان کے ساتھ ان کی زندگی میں کرتا تھا۔ اب وفات کے بعد کیسے نیکی کروں۔ فرمایا ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ نماز پڑھو اور روزہ کے ساتھ روزہ رکھو۔ نیل الاوطار ص۷۲ جلد ۴۔ اس حدیث میں نیابت کا ذکر ہے۔ اہداء ثواب کا ذکر نہیں۔ اور صرف بچے کے متعلق آیا ہے۔ جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ یعنی بچہ والدین سے نیابتہً نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ قابل استدلال نہیں۔ (۵) ابوداؤد میں ہے۔ ابوہریرہ نے آپکے شہر والوں کو

کہا۔کون شخص اس بات کا عہد کرتا ہے۔کہ وہ میرے لئے مسجد عشار میں دو یا چار رکعت پڑھے۔اور یہ کہے۔کہ یہ ابوہریرہ کے لئے ہیں ۲۔اس حدیث میں ابراہیم بن صالح بن درہم ہے۔اور دارقطنی میں کہا ہے ضعیف ہے۔اس کی متابعت نہیں ہوئی) دوم اس میں نیابت کا ذکر ہے۔سوم اس میں ابوہریرہ کا حکم موجود ہے۔

(۶) حدیث ابوداود میں ہے۔ایک مرد نے کہا میری ماں مرگئی ہے۔میں اگر صدقہ کروں تو اس کو مفید ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر اس نے ایک باغ صدقہ کردیا۔ایک روایت میں ہے کہا کہ ناگہاں مرگئی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی۔تو صدقہ کرتی۔کیا اس کی طرف سے کفایت کریگا فرمایا ہاں پہلی روایت میں بھی یہ ذکر ہے۔اگر کلام کرتی۔تو صدقہ کرتی۔یہ حدیثیں بھی اولاد کے بارہ میں ہیں۔اور نیابت کی صورت اس میں بھی متحقق ہے (۲) ان دونوں عورتوں کو ناگہانی موت آئی۔صدقہ نہ کرسکیں۔اگر ان کو فرصت ملتی۔تو صدقہ کرتیں۔ان کا پختہ ارادہ صدقہ کرنے کا تھا۔وحشت کو دفع کرنے کی صورت بھی ہوسکیں ہے جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔اس لئے اس حدیث سے ایصال ثواب کا مسئلہ نکالنا درست نہیں۔

(۷) ابوداود میں کہ عاص نے ایک سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی۔اس کے ایک لڑکے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردئے پھر عمرو نے آزاد کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔فرمایا اگر مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے۔یا حج کرتے۔تو اس کو پہنچتا۔اس حدیث میں بھی نیابت اور وصیت اور اولاد کا ہے۔اس حدیث سے بھی ایصال ثواب ثابت کرنا صحیح نہیں۔بعض نے طاؤس کے اثر سے استدلال کیا ہے۔وہ کہتے ہیں۔کہ مردے قبروں میں سات روز آزمائے جاتے ہیں۔ان دنوں میں ان کی طرف سے کھانا کھلانا پسند کرتے ہیں۔میں کہتا ہوں۔کہ یہ اثر بلحاظ سند کے منقطع ہے۔کیونکہ طاؤس کی وفات اصح الاقوال پر ۱۰۶ھ میں ہے۔اور سفیان کی پیدائش ۹۷ھ میں ہے۔اس کی ملاقات کا کہیں ثبوت نہیں۔اور طاؤس طبقہ ثالثہ سے ہے طبقہ ثالثہ کی روایت مرفوع حکماً بھی ہو۔جیسے بعض نے بیان کیا ہے پھر بھی امام

شافعیؒ کے نزدیک تو مطلقاً قابل قبول نہیں۔ بعض نے جو اس کو کبار تابعین سے شمار کیا ہے۔ اس سے ان کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ صغار سے نہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری مطبع انصاری جلد اول صفحہ ۲۴۲ میں طاؤس کی ایک مرسل روایت (جس کے رجال ثقات ہیں) بیان کرکے کہا ہے:۔

وَالشَّافِعِيُّ اِنَّمَا يَعْتَضِدُ عِنْدَهُ اِذَا كَانَ مِنْ رِوَايَةِ كِبَارِ التَّابِعِيْنَ وَكَانَ مَنْ اِذَا اَرْسَلَ اِذَا سَمّٰى لَا يُسَمِّيْ اِلَّا ثِقَةً وَذٰلِكَ مَفْقُوْدٌ فِي الْمُرْسَلِيْنَ	امام شافعی کے نزدیک مرسل اس وقت قوت پکڑتی ہے جب تابعی کبیر ہونے کے باوجود ثقہ ترک ہو۔ اور یہ بات طاؤس اور دوسری مرسل میں نہیں ہے۔

نیز اس اثر میں دو باتیں ہیں۔ ایک میت کی آزمائش۔ دوسرا اس سے کھانا کھلانا۔ اول مسئلہ میں تو اس کی مجاہد نے موافقت کی ہے۔ مگر مسئلہ دوم یعنی اطعام طعام میں اس کی کسی نے موافقت نہیں کی۔ اور کانوا یستحبون سے صحیح مذہب میں رفع ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اطعام طعام میں قیاس کو دخل ہے۔ کیونکہ تصدق عن المیت سے نفع کی توقع ہے جس میں قیاس کو دخل ہو اس کو مرفوع حکماً کہنا صحیح نہیں۔ پھر اس سے ایصال ثواب پر استدلال کرنا باطل ہے۔ کیونکہ ظاہراً یہ فدیہ جان کی صورت معلوم ہوتی ہے۔ بعض نے مشکوٰۃ کی اس حدیث سے جو معجزات میں نقل کی گئی ہے۔ (کہ آنحضرت کے لئے ایک عورت نے اس وقت دعوت کی جب آپ دفن میت سے فارغ ہوکر آتے تھے) استدلال کیا ہے۔ کہ میت کے گھر کھانے کے لئے لوگوں کو جمع ہونا وفات کے متصل جائز ہے۔ کیونکہ یہ دعوت کرنے والی عورت میت کی بیوی تھی یہ بات بالکل غلط ہے مشکوٰۃ میں وہ لفظ جس سے وہم پڑتا ہے۔ وہ لفظ داعی مرأتہٖ (اس کی عورت کا بلانے والا) ہے۔ اس میں کاتب کی غلطی سے ضمیر امرأتہٖ میں لکھی گئی ہے۔ صحیح لفظ داعی امرأۃ (عورت کا بلانے والا) ہے۔ کیونکہ جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ اور جن دیگر کتب میں یہ روایت دیکھی گئی ہے۔ کسی میں بھی امرأتہٖ نہیں ہے بلکہ

وفات کے متصل میت کے گھر جمع ہونا۔ اور وہاں کھانا از روئے صحیح حدیث جو ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔ نوحہ میں داخل ہے جو حرام ہے۔ اور اس سے اہداء ثواب وغیرہ استدلال کرنا بالکل صحیح نہیں۔

(۸) مولوی عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری نے کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ امام نووی نے اپنی کتاب اذکار میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد مروزی نے کہا ہے کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا وہ کہتے تھے۔ جب تم قبرستان میں جاؤ۔ تو سورۃ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور ھو اللہ احد پڑھو۔ اس کا ثواب مردوں کو بخشو مردوں کو ثواب پہنچیگا۔ اور بعض علماء نے امام احمد سے اس کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ جیسے پہلے یہ ذکر گذر چکا ہے۔ امام احمد کے علاوہ اور اہل علم نے بھی زیارت قبور کے وقت ان سورتوں اور بعض اور سورتوں کو پڑھنے اور ان کا ثواب مردوں کو بخشنے کو لکھا ہے۔ مگر باوجود تلاش کثیر کے اس بارہ میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نظر سے نہیں گذری۔ اور جو مرفوع حدیثیں اس بارے میں نقل کی جاتی ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جس کو ابو محمد سمرقندی نے فضائل قل ھو اللہ احد میں حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا جو شخص قبروں کے پاس ہو پھر سورۃ فاتحہ اور الھاکم التکاثر پڑھے۔ پھر کہے۔ یا اللہ جو میں نے تیرا کلام پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن اور مسلمان مردوں کو بخش دیا۔ تو وہ مردے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرینگے۔ اور از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جو خلال کے شاگرد عبدالعزیز نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۃ یٰسٓ پڑھے۔ تو اللہ تعالیٰ مردوں سے تخفیف کرتا ہے۔ از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جس کو قرطبی نے اپنے تذکرے میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ کہ جب کوئی مومن آیۃ الکرسی پڑھے۔ اور اس کا ثواب مردوں کو بخشے۔ تو اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب

کی ہر قبر میں نور داخل کرتا ہے۔ اور ان کے خوابگاہ کو وسیع کرتا ہے۔ اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبی کا ثواب دیتا ہے۔ اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کے واسطے دس نیکیاں لکھتا ہے۔ یہ چاروں حدیثیں ایصال ثواب کے بارے میں بہت مشہور ہیں۔ اکثر علماء ایصال ثواب کے بیان میں ان کو نقل کرتی ہے۔ مگر یہ سب ضعیف ہیں۔ اہل علم نے ان کے ضعیف ہونے کی تخریج کی ہے۔ لیکن حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں۔ لیکن ان کا مجموعہ بتلاتا ہے۔ کہ ان کی کچھ اصل ہے۔ انتہی

ان احادیث میں دو مسئلے ذکر ہوتے ہیں۔ (۱) قبرستان میں قرآن پڑھنا (۲) مردوں کو قرآن کا ثواب بخشنا۔ امام ابوحنیفہ قبرستان میں قرآن پڑھنا مکروہ جانتے ہیں۔ جمہور سلف اور قدیم اصحاب احمد کا یہی مذہب ہے۔ ایک روایت امام احمد سے ہیں۔ کہ بدعت ہے۔ بعض جائز مگر وہ نہیں جانتے۔ امام محمد سے مروی ہے۔ کتاب الفروع میں ہے۔ مردوں کو قرآن کا ثواب بخشنا بھی مختلف فیہ ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک قرآن کا ثواب نہیں پہنچتا۔ اور امام احمدؒ ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہنچتا ہے۔ امام شافعیؒ نے عدم وصول پر قرآن مجید سے استدلال کیا ہے۔ جامع البیان میں ہے :۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔	انسان کیلئے صرف وہی ہے جو اس نے کوشش کی
لَا یُثَابُ اَحَدٌ بِفِعْلِ غَیْرِہٖ اَیْضًا	دوسرے کے فعل پر کسی شخص کو ثواب نہیں ملتا۔
وَمِنْ ھٰذِہٖ اسْتَنْبَطَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ	یہاں سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ
اَنَّ ثَوَابَ الْقُرْاٰنِ لَا تَصِلُ اِلَی الْمَوْتٰی	قرآن کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا۔ نیز حدیث
اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ	جب انسان مرجاتا ہے۔ تو اس کا عمل منقطع
اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ۔	ہوجاتا ہے صرف تین چیزوں باقی رہ جاتی ہیں۔

یہ حدیث اور آیت بعموم اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اہداء ثواب باطل امر ہے۔ اب جن حدیثوں کو شیخ جلال الدین سیوطی نے نقل کر کے ضعیف کہا ہے۔ وہ ان ادلہ قطعیہ کا

مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا صحیح امر یہی ہے کہ اہداء ثواب پر کوئی دلیل نہیں۔

آیت وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی پر بحث

ایصال ثواب کے قائل اس آیت کے مختلف جواب دیتے ہیں۔ (۱) انسان سے مراد کافر ہے۔ مومن کو غیر کی کوشش کا فائدہ پہنچتا ہے۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔ کہ یہ جواب نہایت کمزور ہے۔ ایسے عام سے صرف کافر مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ مسلم و کافر دونوں کو شامل ہے۔ یہ پہلے عام کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا ہے کوئی جان بوجھ اٹھانے والی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی جیسے یہ عام ہے۔ ویسے ہی وہ عام ہے قرآن کا سیاق اول سے آخر تک ارادہ عموم پر صراحت سے دلالت کرتا ہے پچھلی آیت

وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی۔ ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی۔ اپنی کوشش دکھایا جائیگا پھر اس کو جزا کامل دی جائے گی۔

بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ جزا خیر و شر دونوں کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو ذرہ بھر نیکی کرے گا۔ دیکھے گا۔ اور جو ذرہ بھر برائی کرے گا۔ دیکھے گا۔ مسلم کی حدیث قدسی میں ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہے تمہارے لئے ان کو شمار رکھتا ہوں پھر تم کو پورے دونگا۔ جو بھلائی پاوے وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو اس کا غیر پاوے وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف کوشش کرنے والا ہے۔ پھر اس کو ملنے والا ہے۔ بعض مفسرین نے جو یہ کہا ہے کہ انسان سے یہاں مراد ابوجہل یا عُقبہ بن ابی مُعیط یا ولید بن مغیرہ ہے۔ اس سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ قرآن کا شان اس سے برتر ہے۔ بلکہ مطلق انسان مراد ہے یہ خاص جیسے مندرجہ ذیل آیات میں عام ہے:۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ	انسان خسارہ میں ہے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔	انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا	انسان حریص پیدا کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ
انسان جب اپنے آپ کو غنی دیکھتا ہے۔ تو سرکش ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ
انسان ظالم اور ناشکرا ہے۔

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ
انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ بلاشبہ وہ ظالم اور جاہل ہے

انسان فی نفسہ اس طرح ہے۔ ان صفات سے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل توفیق اور اس کے احسان کے ساتھ نکل سکتا ہے۔ اپنی ذات تو انہی صفات اس کے وہی ہیں جن کو قرآن نے ذکر کیا ہے۔ جو اس پر نعمت ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندے کی طرف ایمان کو محبوب کرتا۔ اس کے دل میں اس کو مزین کرتا۔ اور اس کی طرف کفر فسق معصیت کو مکروہ کرتا ہے۔ اس نے ان کے دلوں میں ایمان لکھا۔ وہی انبیاء و اولیاء کو اپنے دین میں ثابت رکھتا ہے۔ وہی ان سے برائی اور بے حیائی کو پھیرتا ہے۔ رسول صلعم کے سامنے یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتا۔ تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ کے اذن کے سوا کوئی جان ایمان نہیں لاتی۔ اور فرمایا نہیں یاد کرتے۔ مگر یہ کہ چاہے اللہ۔ اور نہیں چاہتے ہو تم مگر جو چاہے رب العالمین۔ اور وہ سب جہان کا رب ہے۔ اس کی ربوبیت جہان کو سب چیزوں کو شامل ہے۔ خواہ ذات ہو یا کام یا کوئی حالت۔

(۲) ایک جماعت نے کہا ہے۔ سابقہ شرائع کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ ہماری شرع کا یہ مسئلہ ہے۔ کہ انسان کو غیر کی کوشش بھی ملتی ہے۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں یہ جواب پہلے سے بھی کمزور ہے یا اسی قسم کا کمزور ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل اس کو مسئلہ کی صورت میں ذکر کیا ہے جس سے اس کی تقریر اور اس کے قابل استدلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نہ اس کا بطلان۔ فرمایا۔ کیا اس کو خبر نہیں دی گئی جو [illegible] صحیفوں میں [illegible] ہے۔ اگر اس شریعت میں یہ مسئلہ باطل ہوتا۔ تو تقریر اور استدلال کے رنگ میں اس کو ذکر نہ کرتے۔

(۳) ایک جماعت نے کہا کہ لام بمعنے علیٰ ہے یعنے انسان پر صرف اس کی کوشش کا فرض ہے۔ یہ پہلے دونوں قولوں سے زیادہ باطل قول ہے یہ موضوع کلام کی تبدیلی اور لغت کے بالکل خلاف ہے۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔ قرآن میں جو لفظ لام بمعنے علیٰ معلوم ہوتا ہے جیسے لَهُمُ اللَّعْنَةُ (ان کے لئے لعنت ہے) یہ فہم کا قصور ہے۔ یہاں بھی لام اپنے معنے میں ہیں۔ یعنے ان کے لئے حصہ لعنت کا ہے۔ عرب اپنی زبان میں لام کو علیٰ کے معنے میں جانتے ہی نہیں۔ مثلاً لِي دِرْهَمٌ (میرے درہم ہے) کو عَلَيَّ دِرْهَمٌ مجھ پر درہم ہے، نہیں سمجھتے۔

(۴) ایک جماعت نے کہا ہے کلام میں حذف ہے۔ اس کے پیچھے یہ محذوف ہے۔ اَوْ سُعِيَ لَهٗ (یا اس کے لئے کوشش کی جائے) یعنے انسان کو اپنی کوشش، اور جو اس کے لئے کوشش کی جائی۔ دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ جواب بھی پہلی قسم کا جواب ہے۔ اللہ اور اس کی کتاب پر افترا ہے۔

(۵) ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ آیت ذیل ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ (جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ انکی تبع ہوئی ہم انکے ساتھ انکی اولاد کو ملا دینگے...)

یہ عبداللہ بن عباس سے منقول ہے یہ بھی بکر دور ہے صرف عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کے کہنے سے حکم اٹھ نہیں سکتا حالانکہ دونوں آیتوں میں تطبیق ہو سکتی ہے کیونکہ بیٹے آخرت میں اپنے باپ کے تابع ہیں جیسے وہ دنیا میں تابع تھے۔ تابع ہونا دراصل باپوں کی بزرگی اور انہی کا ثواب ہے جو ان کو ان کی اپنی کوشش سے ملا۔ بیٹوں کو انکے باپ کے ساتھ ملانا بیٹوں کے لئے نہیں بلکہ باپوں کیلئے ہے اللہ تعالی نے انکی اولاد ملانے سے انکی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، اور بیٹوں پر تو صرف اللہ کا فضل ہے جسکے وہ حقدار نہ تھے وہ انکو دیا جیسے اللہ تو نے جنت کے لڑکوں اور حوروں اور اس مخلوق پر فضل کیا ہے جنکو جنت کے بدون عمل داخل کریگا پس یہ دونوں آیتیں (۱) وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (نہیں بوجھ اٹھائے گی کوئی جان

بوجھ اٹھانیوالی بوجھ دوسری جان کا (۲) وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (تحقیق شان یہ ہے انسان کو کچھ نہیں ملیگا مگر جو اس نے کوشش کی) محکم ہیں۔ رب تعالیٰ کے عدل اور اسکی حکمت اور کمال کا اقتضا یہی ہے عقل اور فطرت ان دو مسئلوں کے شاہد ہیں پہلا یہ ہے غیر کے جرم سے کسی کو سزا نہ دیجائیگی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اپنی کوشش اور اپنے عمل سے ہی کامیابی ہوتی ہے پہلے مسئلہ سے انسان کو دوسرے جنایت پر مواخذہ ہونے سے امن ہوجاتا ہے جیسے دنیا کے بادشاہ کرتے ہیں دوسرے مسئلہ سے باپ دادوں سلف اساتذہ کے عمل سے نجات پانے کی امید منقطع ہوجاتی ہے جیسے جھوٹی حرص والوں کی عادت ہوتی ہے ان دونوں آیتوں کے اجتماع میں کسقدر خوبی ہے اسکی نظیر دوسری آیت ہے "جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی جان کیلئے ہدایت پاتا ہے جو گمراہ ہوتا ہے اسکا وبال اسی کو ہے کوئی جان بوجھ اٹھانے والی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائیگی" اور فرمایا "ہم رسول بھیجنے کے سوا عذاب نہیں کرتے" اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کے واسطے چار حکم کئے ہیں۔ جو عدل و حکمت میں اعلیٰ درجہ کے ہیں (۱) ایمان اور عمل صالح کے ساتھ بندہ اپنے لئے ہدایت پاتا ہے نہ غیر کے لئے (۲) گمراہی عدم ایمان اور عدم عمل کی بناء پر اس پر ہے نہ غیر پر (۳) کوئی آدمی دوسرے کے جرم پر نہیں پکڑا جائیگا (۴) کسی شخص کو عذاب نہیں ہوگا جب تک اس پر پیغمبروں کے ذریعہ حجت قائم نہ ہوجائے (۵) ایک جماعت کہتی ہے کہ انسان سے مراد زندہ ہے نہ مردہ۔ یہ بھی پہلی قسم کی طرح باطل و مردود ہے۔ لفظ عام میں بڑا تصرف ہے سیاق، اعتبار شرع کے قواعد اور ادلہ اور عرف کے بالکل خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے معتقد کے موافق آیت کو بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو غلط صحیح کی تمیز نہیں رہتی (۶) انسان نے اپنی کوشش اور حسن سلوک کیوجہ سے دوست بنائے نکاح کیا۔ اس کے ہاں اولاد ہوئی۔ لوگوں کے ساتھ اس نے بھلائی۔ اور لوگوں کے ساتھ اس نے بھلائی کی۔ اور لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آیا۔ انھوں نے اس پر

تیمم کیا۔ اس لئے اپنی عبادات کو دھبہ کیا۔ یہ اس کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز انسان کھاتا ہے سب سے زیادہ ستھری چیز اس کا کسب ہوتا ہے۔ اولاد اس کی اس کے سبب سے ہے۔ دوسری حدیث جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں الخ اس پر صاف دلالت کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ جب کسی کا لڑکا اس کے لئے حج کی اسباب مہیا کر دے۔ تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بچے کا مال اس کا ہے۔ جب اس کو دیتا ہے۔ تو گویا اس کو خرچ اور سواری جو حج کے وجوب کی شرطیں تھیں مل گئیں۔ جبکہ اجنبی کو اگر دینا چاہے۔ تو حج فرض نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ یہ ستو دو وجہ کا جواب ہے۔ اس کی تکمیل کی ضرورت ہے۔

اب اس کی تکمیل سنئے۔ فرماتے ہیں۔ بندہ ایمان اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت کی وجہ سے اپنے اور اپنے دیگر مومن بھائیوں کے عمل کے ساتھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کر چکا ہے۔ جیسے زندگی میں اپنے اور ان کے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مومن جن اعمال کو مل کر کرتے ہیں۔ ان میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسے جماعت کے ساتھ نماز۔ ہر ایک کی نماز دوسرے کی مشارکت کی وجہ سے ستائیس درجہ تک بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے کا عمل اس کے اجر بڑھنے کا سبب بنا۔ کہ جس قدر زیادہ ہوں۔ اسی قدر عمل بڑھتا ہے حج۔ جہاد۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں اشتراک کا یہی حال ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا مومن مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے۔ بعض بعض کو قوی کرتا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے۔ کہ امور دین میں اس کا تعلق بہ نسبت امور دنیا کے زیادہ ہونا چاہئے۔ مسلمان کا اسلام کی بناء پر مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جانا۔ زندگی اور موت ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کا بڑا سبب ہے۔ اہل اسلام کی دعا اہل اسلام کو گھیرتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے حملۃ العرش اور عرش کے ارد گرد فرشتوں

کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ مومنوں کے لئے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی دعا اور استغفار کا ذکر قرآن نے کیا ہے پس بندہ ایمان کی وجہ سے اپنی طرف دعا پہنچنے کا سبب پیدا کر چکا ہے۔ گویا یہ اس کی سعی ہے۔ حاصل کلام وہ اس کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے۔ کہ جب تسبب کی صورت ہے۔ تو حدیث :۔

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ۔ — جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔

میں صرف تین کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ سبھی تسبب کی صورتیں ہیں۔ مثلاً علم یا نیک بچہ یا صدقہ جاریہ یہ چیزیں تسبب کی صریح صورتیں ہیں۔ جب تسبب کی تصریح میں تین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور باقی کی نفی کی ہے۔ تو غیر صریح تسبب کس طرح باقی رہ سکتی ہیں۔ باقی رہی دعاء سو وہ ایک عوض معاوضہ کی صورت ہے۔ اور حاملین عرش و دیگر فرشتوں کی دعائیں انسان کے اعمال کی باطنی مؤثرات ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے یہ لفظ نقل کئے گئے ہیں :۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ۔ (الآیہ الخ) — اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو رحمت اور علم کے ساتھ گھیر لیا ہے۔ ان لوگوں کو بخش جو ایمان لائے اور تیرے راستہ پر چلے۔

اپنی دعا میں انہوں نے ایسی شرطیں لگائی ہیں۔ جن شرائط کے بعد انسان بحسب القرآن قابل غفران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کی دعائیں بلا اذن نہیں ہوتیں۔ جب اللہ کی طرف سے اذن ہوا۔ تو خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل معافی ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کا استغفار ایمان داروں کے لئے ان کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تسبب کا نہ زندگی میں انکار ہے۔ نہ موت میں مگر تسبب کے لئے بھی قانون ہے۔ مثلاً کافر کے لئے دعا کوئی مفید نہیں ہوتی۔ اسی طرح ظہر میں کوئی بلا عذر نماز قصر کرے

تو دوسرے مومنوں کی نماز اس کو فائدہ نہیں دیتی۔ ایمان میں نیابت کسی کے نزدیک
درست نہیں۔ اسی طرح زندگی میں اگر نماز بلا عذر نہ پڑھے اور اپنا کسی کو نائب بنائے۔
تو نائب کے ادا کرنے سے اسکو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح رمضان میں اگر غیر معذور
آدمی حالت حیات میں کسی شخص کو نائب بنائے۔ تو اس کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
اب کہاں تسبب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور کہاں پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے علم کی
دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک عقل۔ دوم نقل مرنے کے بعد کے حالات معلوم کرنے پر
عقل تو عاجز ہے۔ اور نقلاً اہداء ثواب ثابت نہیں۔ تو تسبب کی صورت تصور کر
لینے سے اعتراض کیسے اٹھ گیا۔ پس آیت:۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى۔ نہیں ہے واسطے انسان کے مگر جو اس نے کوشش کی۔
کو اہداء ثواب کے موافق بتانے کے لئے اہداء ثواب کو تسبب کی صورت میں داخل کرنا۔
بدون دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ اہداء ثواب کو بلا دلیل تسبب میں داخل کرنا ایسا ہے۔
جیسے کوئی ایمان کو تسبب میں داخل کر کے کہے کہ بیٹے کا ایمان باپ کے لئے ایک سبب
ہے نجات کا کیونکہ اس نے اس کو جنا سبب فائدہ اٹھانے کا ہے۔ جس طرح
یہ سبب مخالفت نص باطل ہے۔ اسی طرح اہداء ثواب کا تسبب کی صورت میں داخل ہونا
بوجہ عدم دلیل جواز اور وجود دلیل برائے بطلان باطل ہے۔

(۸) ایک جماعت نے کہا ہے کہ قرآن نے دوسرے کی سعی کی فائدہ اٹھانے کی نفی نہیں کی
دوسرے کی کوشش سے صرف ملک کی نفی کی ہے یعنی انسان صرف اپنی سعی کا مالک
ہے یہ نہیں کہ انسان صرف اپنی سعی سے فائدہ اٹھاتا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے
حافظ ابن تیمیہؒ اس طریقہ کو اختیار کرنے اور دوسروں پر اسکو ترجیح دیتے ہیں۔
میں کہتا ہوں یہ پہلی وجود باطلہ سے کوئی اچھی وجہ نہیں ساتویں وجہ سب سے
اچھی ہے اور یہ اس سے بہت گری ہوئی ہے کیونکہ اس وقت قرآن کی نظم کا زور بالکل
جاتا رہتا ہے کیونکہ اس وقت آیت کا یہ معنی ہوا کہ انسان صرف اپنی سعی کا مالک ہے

دوسرے کی سعی کا مالک نہیں یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے کی سعی سے اسکو فائدہ پہنچے۔ انسان
کو اپنی سعی کے ملک سے فائدہ کیا تھا کہ اس سے وہ فائدہ اٹھائے جب فائدہ دوسرے
کی سعی سے بھی ہو سکتا ہے تو ملک کی نفی سے فائدہ کیا ہوا۔ کلام کا زور بالکل جاتا رہا یہ
سارا تکلف لوگوں نے اسلئے کیا تاکہ عمل غیر کے انتفاع کی صورتیں قرآن کے خلاف نہ
بنیں۔ قرآن کو پھیرنے کی کوشش کی ان صورتوں میں غور نہ کیا کہ یہ صورتیں قرآن کے
موافق کسی وجہ سے بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے جو ساتویں وجہ میں اشارہ
کیا ہے اس میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت میں جہاں
کہیں بھی دوسرے کی کوشش سے انتفاع کا ذکر کیا ہے۔ وہ سب تسبب کی صورتیں
ہیں۔ مگر کسی صورت کو تسبب میں داخل کرنا محض کوئی عقلی بات نہیں اس کے لئے
نقل کی ضرورت نہیں۔ دعا پر تو سب کا اتفاق ہے۔ تسبب کی صریح صورتیں جن کو
بعض روایات میں تین اور بعض میں سات میں منحصر کیا ہے۔ اور دیگر سب ادلہ کو
ملانے سے دس بنتی ہیں۔ اور غور کرنے سے وہ بھی تین ہی رہ جاتی ہیں۔ نیابت کی
صورتیں اگر روایات میں ترجیح و تطبیق سے کام لیا جاوے۔ تو وہ بھی انہی تینوں میں مندرج
ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ نائب کے لئے یا ولی کا لفظ آیا ہے۔ یا بچے کا۔ اگر ولی سے مراد
صرف بچہ لیا جائے۔ تو باقی اولیاء خارج ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت میں بھائی
یا قریبی کا لفظ آیا ہے۔ امام احمدؒ نے اس کے رفع کو صحیح نہیں سمجھا۔ نذر کی روایت
میں ماں یا ہمشیرہ کا لفظ آیا ہے۔ اور راجح ماں ہے اس لئے نیابت کی سب روایات
بچے کی طرف لوٹتی ہیں۔ اگر سب روایات پر عمل کیا جائے۔ تو بچے اور ولی کو نیابت
کی اجازت معلوم ہوتی ہے غیر ولی کو ولی پر قیاس کرنا بدیہی قیاس نہیں۔ ولی کی نیابت
کا ذکر صرف روزے اور لازم غیر معین اعمال مثلاً حج و نذر میں آیا ہے۔ ان اعمال پر
دوسرے اعمال کو قیاس کرنا واضح نہیں محدثین نے قرض کے ساتھ تشبیہ دینے کو
لے کر اجنبی کے لئے بھی ان امور میں نیابت جائز رکھی ہے۔ اب ان صورتوں میں اگر

سوائے بیٹے کے کسی اور کو نیابت کا حق دیا جائے۔ تو تین چیزوں میں حصر والی حدیث کی ظاہراً مخالفت ہوتی ہے۔ مگر ایک وجہ سے مخالفت اٹھ جاتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تین چیزوں میں نیابت وارد ہے۔ وہ غیر معین ہیں۔ یعنی ان کا کوئی وقت معین نہیں۔ ان کا وقت وسیع ہے۔ اس لئے مکلف کے متعلق یہ خیال کرنا۔ کہ اگر اس کی عمر دراز ہوتی۔ تو نہ کرتا بہت بعید ہے مسلم کی ظاہری حالت کا اقتضاء یہی ہے۔ کہ وہ موقعہ ملے تو ضرور کرے۔ شاید بعض اعذار کی بناء پر نہ کیا ہو یعنی اللہ اگرچہ اس قدر ملامت کی قابل نہیں جس قدر دوسرے فرائض کا تارک۔ مگر ممکن ہے۔ کہ وصیت کرنا مسلم کی ظاہری حالت یہی ہے۔ کہ وہ فرائض میں وصیت کرے تو شارع نے اس کو وصیت کا حکم دیا۔ اور وصیت کی صورت تسبیب کی صورت صدقہ جاریہ کے رنگ میں قائم ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ صورت نیابت ان تین سے باہر نہ ہوئی۔ یہ توجیہ اس لئے کی گئی ہے۔ تاکہ احادیث نیابت اور تین چیزوں میں حصر والی روایت میں تطبیق ہو سکے۔ ورنہ ایسے تکلف کی ضرورت نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو توجیہ کی ہے۔ وہ دراصل ان احادیث کو نیابت سے نکال دیتی ہے۔ کیونکہ وہ ولی کے فعل کو اس وحشت کے رفع کرنے کا سبب قرار دیتے ہیں۔ جو روح کو بعد مفارقت کے اپنے وظیفہ کے ترک کے ادراک سے لاحق ہوتی ہے۔ اس توجیہ کی تائید اس لفظ نفاذ سے بھی ہوتی ہے۔ جو پہلے گذر چکا ہے وہ یہ ہے تم حج کرو۔ اگر اس کو فائدہ نہ ہوگا۔ تو نقصان بھی نہ ہوگا۔ یعنی نیک کام ہے کر لو

بعض ائمہ حدیث ابیث:-

لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ نہیں جزا دیے جاؤ گے مگر جو تم کماتے ہو۔

اور حدیث (تین میں حصر والی) دونوں کی تخصیص کے قائل ہو گئے ہیں۔ اب جہاں کہیں نیابت کی صحیح صورت ہوگی۔ وہاں قائل ہونگے مگر اہداء ثواب کی کوئی دلیل نہیں۔

آیت (لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ) پر بحث

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ اس آیت کے سیاق سے یہ معنی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کو غیر کے عمل سے جزا نہیں ملے گی۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیر کے عمل سے انتفاع کی صورت نہیں۔ کیونکہ غیر کے عمل سے انتفاع کی صورت جزا کی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ اور اس کا فضل ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ آیت :۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ — اس کے لئے جو اس نے کمایا۔

میں ظرف کی تقدیم حصر کے لئے ہے۔ اب انسان کی کمائی کا غیر کے لئے نہ ہونا ظاہر ہے۔ تسبیب میں فائدہ اٹھانے والے کا عمل اور کسب متحقق ہوتا ہے۔ صدقہ اور تفضل بھی جزا کی صورت ہے۔ یعنے اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو دنیا میں مکلّف ہو چکے ہیں۔ ایک قانون مقرر کیا ہے۔ حدیث :۔

إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ۔ — تمہارے ہی اعمال ہے۔

اس کی مؤید ہے۔

حدیث (إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ) پر بحث

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے۔ کہ عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ انتفاع منقطع ہو جاتا ہے۔ صرف اس کے عمل کے انقطاع کی خبر دی ہے غیر کا عمل عامل کا ہے۔ عامل اگر ھبہ کرے۔ بعامل کے ثواب اس کو پہنچیگا نہ اس کے اپنے عمل کا ثواب منقطع اور شئے پہنچنے والی اور شے ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ جن کو استثناء کیا ہے۔ وہ بھی انتفاع کی صورتیں ہیں۔ نہ عمل کی پس معلوم ہوا۔ کہ انقطاع عمل سے مراد انتفاع بالعمل (عمل سے فائدہ اٹھانا) ہے خاص کر بیچے کی دعا غیر کا عمل ہے۔ اس سے انتفاع غیر کے عمل سے فائدہ اٹھانا ہے۔ لہٰذا حافظ صاحب کا مطلب ٹھیک نہیں۔ ہاں اس حدیث کو آیت (لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ) کے ساتھ تطبیق دینے کی غرض سے تین چیزوں میں

تسبب کی صورت بیان کرتی پڑتی ہے۔

قرأت قرآن کے ثواب بخشنے میں حافظ ابن قیمؒ نے صرف قیاس سے کام لیا ہے

فرماتے ہیں۔ جب۔ حج۔ روزہ۔ دعا استغفار کا ثواب پہنچتا ہے۔ تو قرأت قرآن کا ثواب بھی پہنچنا چاہیے۔ باقی سلف سے اس کا منقول نہ ہونا اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ اعمال کو چھپایا کرتے تھے۔ جیسے یہ منقول نہیں۔ ویسے یہ بھی منقول نہیں کہ کسی نے سلف سے یہ کہا ہو۔ یا اللہ اس روزے کا ثواب فلاں کو دینا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کا ذکر اس واسطے نہیں کیا کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا نہیں جو پوچھا۔ اس کا جواب دیا۔ روزے اور صدقہ حج کے متعلق بھی آپ نے سوال کے بعد جواب دیا ہے۔ روزے اور قرأت میں کوئی فرق نہیں۔

میں کہتا ہوں۔ حافظ ابن قیمؒ نے جو قرأت کے ثواب میں حج۔ روزے۔ دعا استغفار پر قیاس کیا ہے۔ یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ دعا۔ استغفار۔ حج روزے کا بھی ثواب پہنچانا ثابت نہیں۔ دعا۔ استغفار تو صرف ایک شفاعت کی صورت ہے جس میں عوض اور تسبب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ حج روزے میں نیابت ہے۔ نیابت اور اہداء ثواب میں بیّن فرق ہے۔

نیابت اور اھداء ثواب میں فرق

نیابت میں پہلے نیت نیابت ضروری ہے۔ اور مجرد نیت اور اداء فعل سے وہ دوسرے کے لئے ہوگا۔ اور عامل کو نیابت کی وجہ سے ثواب ملے گا۔ نیابت کی وجہ سے عامل اس کے قائم مقام ہوگا۔ اور اہداء ثواب میں عامل عمل میں نیابت کی نیت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنی طرف سے بلا نیت نیابت

عمل کرتا ہے۔ کبھی تو عمل کے وقت یا پہلے اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ میں اس کو ثواب بخشونگا۔ اور کبھی بعد میں خیال کرتا ہوا۔ دوسرے کو ثواب بخشتا ہے۔ اور ثواب بخشنے کی صورت میں بھی عامل کو ثواب ملنا چاہیئے۔ نیز سلف کا عمل چھپانا اس بات کو نہیں چاہتا۔ کہ اس کا ذکر ہی نہ ہو۔ اس سے کم درجہ کے اعمال میں ذکر موجود ہے۔ عمل چھپا کر کرنا اور چیز ہے۔ اور ذکر کرنا امر دیگر ہے۔

قبروں اور مُردوں پر قرآن پڑھنا

مشکوٰۃ میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ جب تم سے کوئی فوت ہو جائے۔ اس کو بند نہ کرو۔ بلکہ قبر کی طرف جلدی لے جاؤ۔ اس کے سر کے پاس بقرہ کا شروع اور پاؤں کی پاس بقرہ کا اخیر پڑھے۔ اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ اور اس نے کہا ہے۔ صحیح یہ ہے۔ کہ یہ عبداللہ بن عمرؓ پر موقوف ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو مرفوعاً کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں یحیٰی بن عبداللہ بن ضحاک بن بابلت ہے جس کو ابو ذرعہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا۔ اس کی حدیثیں اچھی ہیں۔ مگر اس نے اوزاعی سے نہیں سنا۔ امام احمدؒ نے اس کا سماع ثابت کیا ہے۔ عبدالرحمن بن علاء سے طبرانی نے کبیر میں جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مگر بوجہ شذوذ کے ضعیف ہے۔ اس کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے۔ کہ بقرہ کے شروع اور خاتمہ میں ایمان کا ذکر ہے۔ شروع سے مراد مُفلِحُوْنَ تک اور اخیر سے مراد اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر سورہ تک۔ اور اس قرأت کی مختلف حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) تلقین کے قائم مقام ہو۔ کیونکہ اس میں صفات ایمان کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے بعد کسی حدیث مرفوع صحیح یا موقوف صحیح میں دفن کی حالت میں

علاوہ قرآن کا پڑھنا ثابت نہیں۔ (۲) میت کے انس کے لئے ہو کیونکہ اس وقت روح کا میت کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔ اور بعض اس حکمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ ہر وقت میت کے انس کے لئے قرآن پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے شاہ ولی اللہ سے ہم قرات کی یہی حکمت بیان کر چکے ہیں۔ مگر اس کا صحیح ثبوت نہیں ملتا۔ اگر یہ وجہ ہوتی۔ تو شریعت میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔ (۳) میت کے لئے مغفرت کی دعا ہو۔ کیونکہ شروع سورت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ خطا و نسیان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ تو گویا ان آیات کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ سے مردے کے حق میں معافی کی درخواست کرنا ہے (۴) قبر میں شیطان کے اثر کو دفع کرنے کے لئے ہو۔ کیونکہ قبر میں انسان آزمایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بعض روایات میں آیا ہے کہ سورہ بقرہ کا اول و آخر شیطان کے دفع کے لئے بہت اچھا ہے۔ ان اکثر حکمتوں کو ملحوظ رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دفن کے وقت ہی اس کو پڑھنا چاہیئے۔ عام دستور بنانے کا کوئی ذکر نہیں (۵) عام طور پر پڑھنا زیارت قبور کے فائدہ کے خلاف ہے جس کے لئے قبور کی زیارت کی اجازت ہے۔ یعنی تفکر اعتبار۔

(۲) حدیث یٰسین اپنے مردوں پر پڑھو۔ اس کو ابوداؤد۔ احمد۔ ابن ماجہ نے روایات کیا ہے۔ ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ ابن قطان نے اس میں اضطراب اس کے موقوف ہونے ابو عثمان اور اس کے باپ کی جہالت کی بناء پر اس حدیث کو معلول کہا ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے۔ اس کی سند ضعیف اور اس کا متن مجہول ہے۔ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ اسی طرح امام نووی نے اذکار میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے۔ کہ مردوں سے قریب المرگ مراد ہیں۔ بعض روایات میں اس قسم کے لفظ ہیں جو ابن حبان اس معنی کی تائید کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے۔ ہم کو صفوان نے حدیث

سنائی۔ اس نے کہا۔ شیوخ کہتے ہیں جب یٰسٓ میت کے پاس پڑھی جاوے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کو تخفیف کرتا ہے۔ صاحب فردوس کی روایت اس طرح ہے۔ جو میت مرے۔ اس کے پاس یٰسٓ پڑھی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرتا ہے۔ روایت (جیسے پہلے گذرا ہے) بالکل ضعیف ہے۔ اور مُردوں سے مراد قریب المرگ ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اس معنی کے راجح ہونے کی پانچ وجوہ بیان کی ہیں۔ (۱) حدیث:۔

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

میں بھی لفظ مُردوں کا آیا ہے۔ اور اس جگہ مردوں سے مراد قریب المرگ لوگ مراد ہیں (۲) قریب المرگ کو اس صورت سے اس لئے فائدہ ہوتا ہے۔ کہ اس میں توحید۔ قیامت اور اہل توحید کو جنت کی خوشخبری وغیرہ کا ذکر ہے۔ روح خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی آرزو کریگا۔ پس اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرے گا۔ سورہ یٰسٓ قرآن کا دل ہے۔ قریب المرگ کے پاس اس سورت کے پڑھنے کی عجیب خصوصیت ہے۔ ابوالفرج ابن جوزی نے لکھا ہے۔ کہ ہم اپنے استاد ابوالوقت عبدالاوّل کے پاس تھے۔ آخر ہم نے دیکھا۔ کہ اس نے آسمان کو دیکھا۔ اور ہنسے۔ اور سورہ یٰسٓ کی آیت

يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ۔ کاش میری قوم جانے مجھے میرے رب نے بخش دیا۔ اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کر دیا ہے۔

پڑھی۔ اور فوت ہو گئے (۳) لوگوں کا قریب المرگ کے پاس ہی یٰسٓ پڑھنا مروج ہے (۴) اگر صحابہ سمجھتے۔ کہ یٰسٓ قبر پر پڑھنی چاہیے۔ تو ضرور پڑھتے۔ اور یہ بات ان میں مشہور ہوتی (۵) میت کا اس سورہ کے سننے سے اور قرآت کی وقت دل اور ذہن کو حاضر کرنے سے آخری سانس میں فائدہ اٹھانا

ہی مقصود ہے۔ قبر پر پڑھنے سے میت کو ثواب نہیں ملتا۔ کیونکہ ثواب کا تعلق عمل کے ساتھ ہے۔ خواہ قرات ہو۔ یا سننا۔ اور میت کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔

(۲) خلال نے شعبی سے ذکر کیا ہے۔ کہ انصار سے جب ان کا کوئی مر جاتا ہے۔ تو اس کی قبر کے پاس آیا جایا کرتے۔ اس کے پاس قرآن پڑھتے۔ اس اثر میں صرف قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کے عمل کا ذکر نہیں۔ ممکن ہے۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کی بنا پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں سورہ بقرہ کے اول آخر کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ انہوں نے اس کو قیاس عام کر دیا ہو۔ اور قیاس سے ایسے مقام میں قابل احتجاج نہیں ہوتا۔ لہذا یہ اثر قابل استناد نہیں شعبی طبقہ ثانیہ کے ہیں۔

ایصال ثواب کیلئے تیجا۔ ساتواں۔ چالیسواں کی تعیین

اگر اس تعیین کو فرض۔ واجب۔ یا سنت۔ یا مستحب سمجھا جائے۔ تو یہ تعیین اس صورت میں بدعت حقیقیہ ہوگی۔ کیونکہ شریعت نے اس کو فرض واجب سنت یا مستحب قرار نہیں دیا۔ اس کا قائل مبتدع اور حرام کا مرتکب ہوگا۔ ایسی مجلس کی شمولیت منع اور حرام ہوگی۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور کبیرہ گناہ ہے پس ایسی دعوت کی شمولیت جو ایسی معصیت پر مشتمل ہوگی۔ قرآن و سنت سے حرام ہے

پانچویں پارہ میں ہے :-

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

جب تم سنو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر ہو رہا ہے۔ یا استہزاء کیا جا رہا ہے تو ایسے آدمیوں کے پاس مت بیٹھو۔ یہاں

غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔ تک کہ وہ دوسری بات میں بحث کریں۔
(اگر تم بیٹھے تو) بلاشبہ تم ان کی طرح ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر یا استہزاء ہو۔ تو اس مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس پر افتراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے۔ اس لئے نافرمانی کی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ حدیث ترمذی میں ہے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانی کرنے لگے۔ تو ان کے علماء نے ان کو روکا۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ پھر ان کے ساتھ ان کی مجلس اور خورد و نوش میں شریک ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی اسی طرح کر دیئے۔ ان کو داؤد اور عیسیٰ کی زبان پر ملعون قرار دیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی مجلس کی شمولیت منع ہے۔ اور اس دعوت کا کھانا اس معصیت پر تعاون ہے۔ اور تعاون بنص قرآن معصیت پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

لہٰذا طعام مذکور کا کھانا بنص قرآن حرام ہوا۔ مگر اس کی حرمت حرمت لغیرہ ہے۔ یعنے حرمت ذاتی یا حرمت لعینہ نہیں۔ پس اس کھانے کے استعمال میں اگر تعاون کی صورت نہ ہو۔ تو کھانا فی نفسہٖ حرام نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر کھانے کا مالک توبہ کرے۔ یا جہالت کی وجہ سے کرے۔ تو کھانا حرام نہیں ہوتا۔

اگر اس تعیین کو فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب۔ نہ سمجھے۔ بلکہ جائز قرار دے۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں یا یک اتفاقاً کسی دن میں مستحقین کو بلا فخر دے۔ تو وہ مستحقین کو کھانا بلا شبہ جائز ہے۔ بشرطیکہ بلا کسی بدعت کے کرے۔

اگر اس تعیین کو قصداً کرے جب کوئی مرے اسی دن کرے اور زبان سے یہ کہے کہ میں اس دن کی تعیین کو فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب نہیں سمجھتا بلکہ صرف اس دن

میں کھانا پکا کر دینا جائز سمجھتا ہوں اور جب کوئی مرے تو اسی دن میں کھانا کھلاتا ہوں۔ تو اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ یا ملامت کے ڈر سے کرے۔ یا یہ سمجھ کر دن کی تعیین سے انسان ضرور نیک کام کر لیتا ہے۔ ملامت کی صورت میں یہ کام غیر اللہ کے لئے ہوا۔ اور شق ثانی میں اس کام کو ضرور کرنے کا اعتقاد ہوا۔ جو فرض واجب کے مرادف ہے۔ دونوں صورتیں بوجہ تعیین معصیت ہوئیں۔ اگر کسی شخص نے اتفاقاً کسی میت کے بعد تیسرے دن یا ساتویں کر لیا۔ تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ بشرطیکہ کوئی بدعت اس میں نہ ہو۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوا۔ کہ بعض دنوں کی تعیین اعتقادی اختصاص کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یہ اعتقادی اختصاص بالکل ممنوع ہے۔

ایصال ثواب کیلئے کھانے پر قرآن کریم پڑھنا اور اس کھانے کا کھانا

ایسا کرنا شرعاً کوئی ثابت نہیں۔ اگر ایسا کرنا فرض یا واجب یا سنت یا مستحب سمجھے۔ تو بالاتفاق ممنوع اور حرام اور اللہ پر افتراء ہے۔ اور ایسی دعوت میں شمولیت حرام ہے۔ اور ایسا کھانا چونکہ گناہ پر امداد ہے۔ اس لئے ایسا کھانا بھی حرام ہے۔ مگر اس کی حرمت لغیرہ ہے۔ پس توبہ کے ساتھ اس کی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور جہالت کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر تعاون علی الاثم نہ ہو۔ تو کھانا مباح ہے۔

اگر فرض واجب۔ سنت۔ و مستحب سمجھے۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا ملامت کے ڈر سے۔ یا تعیین کو ضرور ادا کرنے کا ذریعہ سمجھ کر کرنا۔ اول صورت میں یہ کام غیر اللہ کے لئے ہوا۔ دوسری صورت میں اعتقادی اختصاص کو مستلزم ہوا۔ دونوں کی تعیین۔ اور کھانا آگے رکھ کر اس پر ہیئت کے لئے کچھ پڑھنا ہنود کی رسم ہے۔ جاہلیت کی رسم اسلام میں مقرر کرنی حرام ہے۔ اور غیر اقوام سے اس کے مذہبی رسوم میں تشبیہ کرنا قطعاً حرام ہے۔ نیز وہ کھانا دراصل قرآن کے

پڑھنے کی اجرت ہے۔ اور قرآن اجرت لے کر پڑھنے سے پڑھنے والے کو ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ فقہاء نے قرآن پڑھنے پر اجرت لینے کو حرام لکھا ہے۔
مولوی عبدالحی لکھنوی کے فتاوی جلد دوم صفحہ ۲۶۲ میں ہے۔

استفتاء

مردہ کے لئے قرآن پڑھوانا ان لوگوں سے جو لوگ قرآن پڑھنے کی اجرت لیتے ہیں۔ اور اپنی روزی اس کو ٹھہرالیا ہے۔ جن لوگوں کو جہلا لوگ مُلّاں روحی بولتے ہیں۔ جائز ہے۔ یا نہیں۔

هو الصواب۔ نہیں درست ہے۔ قرآن پڑھنے کی اجرت لینا حرام ہے۔ کما فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

محمد عبدالحی
ابوالحسنات

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز عن ذنبہ الجلی والخفی۔
فتوی جلد سوم صفحہ ۶۸ سوال فاتحہ مروجہ حال یعنی طعام را روبرو نہادہ دست برداشتہ چیزے خوانند۔ چہ حکم دارد۔

الجواب۔ ایں طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود۔ نہ در زمان خلفاء۔ بلکہ وجود آں در قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر منقول نہ شدہ۔ حالا در حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً عادت خواص نیست۔ واگر کسے ایں طور مخصوص بعمل آورد۔ آں طعام حرام نمیشود بخوردنش مضائقہ نیست۔ وایں را ضروری داشتن مذموم ست۔ بہتر آنست۔ ہر چہ خواہند خوانده ثواب بمیت رسانند و طعام را بہ نیت تصدق بفقرا خورانند۔ و ثوابش نیز باموات رسانند۔

مولوی عبدالحی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے۔ کہ طعام حرام نہیں ہوتا۔ اس کا کھانا مضائقہ نہیں۔ یہ اسی وقت تک ہے۔ جب تک کرنے والا غلطی سے کرے۔ اس پر حجت قائم نہ ہو۔ جب اس فعل بدعت پر حرمت کا

فتویٰ لگ چکا ہو۔ تو اس صورت میں کھانا حرام لغیرہ ہوگا۔ اور ہم پہلے اس مسئلہ کو ادلہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ قرآن خوانی کے ثواب پہونچانے پر کوئی آیت یا حدیث صحیح نہیں۔ اس لئے پھر یہ رسم ختم یعنے کھانے پر قرآن خوانی ایصال ثواب کے لئے بدعت ہوئی۔

خاتمہ

پس تیجا۔ ساتواں۔ چالیسواں ختم پر منع ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع خیر القرون

(۴) تفصیل استدلال قرآنی۔ وہ آیات جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ دس سے زیادہ ہیں۔

(۵) تفصیل استدلال حدیث (۱) احادیث رد بدعت (۲) احادیث مذمت تشبیہ۔

(۶) احادیث جو قرآنی آیات مذکورہ کے ہم معنی ہیں۔ اول تو ایصال ثواب عبادات بدنی پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ دوم قرآن حمید و احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے۔ سوم ایام کی تعیین بدعت۔ چہارم ان کی تعیین میں تشبہ ہنود اور رسم جاہلیت ہے۔ پنجم کھانے اور قرآن خوانی کو ایصال ثواب کے لئے جمع کرنا۔ جیسے پہلے گذر چکا ہے بدعت ہے۔ ششم۔ زبانی اور مالی عبادت کو جمع کرنے سے ہنود کے ساتھ تشبہ ہے۔ ہفتم یہ رسم جاہلیت ہے۔ ہشتم۔ اجرت پر قرآن پڑھنے سے پڑھنے والے کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ نہم یہ کھانا مستحقین کو نہیں پہنچتا۔ دہم یہ رسم بعض وقت یتیموں کے مال سے ادا کی جاتی ہے۔ ان کا مال کھانا نص قرآن حرام ہے۔ گیارہواں۔ ایسے رسوم پر قرض سودی بھی لیا جاتا ہے۔ یہ قطعاً حرام ہے۔ بارہویں ان رسموں کو لوگ صرف عار سے بچنے کے لئے کرتے ہیں۔ تیرہویں۔ حاجت اور ضرورت کا لحاظ نہیں کرتے۔ بلکہ صرف ٹونے کی طرح کرتے ہیں۔ جتنی باتیں ہم نے ذکر کی ہیں۔ یہ سب یا ان میں سے بعض ضرور بالضرور ہی ان رسموں میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی رسم قطعاً حرام اور اس میں شمولیت

ناجائز ہے۔ اور وہ کھانا چونکہ گناہ پر مسدد ہے۔ اس لئے حرام ہے۔ جو ایصال ثواب کے مروجہ طریقوں پر کاربند ہیں۔ عام طور پر صوم وصلوٰۃ سے غافل ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی ہے۔ کہ شاید مرنے کے بعد زندوں کی کوشش سے ہماری نجات ہو جائے گی۔ اس خیال نے اہل اسلام کو عمل میں پیچھے کر دیا ہے۔ اور غیر قومیں ان سے سبقت لے گئی ہیں۔ اس لئے اہل اسلام پر لازم ہے۔ کہ وہ ایسے رسوم سے بچیں۔ اہل اسلام کی تنزلی کا اکثر حصہ جیسا تحقیق کرنے سے ثابت ہوا ہے۔ انہی رسوم کی پابندی کی وجہ سے ہے۔ وہ لوگ جو اہل اسلام کو انہی رسوم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور ان کے جواز اور حلال ہونے کے فتوے تراشتے ہیں۔ وہ اہل اسلام کو دین و دنیا میں ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام اہل سنت کے نزدیک عبادات میں اصل یہی ہے۔ کہ عبادات کی خاص خصوصیت وقتی، مکانی منع ہے۔ جب تک ثبوت نہ ملے کرنا جائز نہیں۔ اس لئے میت کے نفع رسانی کے طریقوں میں وہ شریعت کی ہدایت کی تتبع کرتے ہیں۔ جس طریقے اور اس کی خصوصیت کا ثبوت نہ ملے۔ اس کو وہ بدعت اور گمراہی خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مروجہ تیجا۔ ساتواں۔ چالیسواں ششماہی۔ و برسی۔ و دیگر اس قسم کے میت کے نفع رسانی کے طریقوں کو بوجہ عدم ثبوت کے بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں۔ بلا تعین وقت میت کے لئے قرآن خوانی اور بعض اعمال میں نیابت اور ایصال ثواب میں اگرچہ اہل سنت کا اختلاف ہے۔ مگر دلیل کے لحاظ سے صحیح بات یہی ہے۔ کہ میت کے لئے قرآن خوانی مطلقاً صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ اور نیابت جس جگہ وارد ہے۔ اس کے علاوہ دوسری جگہ نہیں کرنی چاہیئے۔ مثلاً بچے کے لئے نیابت صرف روزہ حج وغیرہ میں ثابت ہے۔ روزہ میں نیابت صرف ولی کے لئے جائز ہے۔ ان کے علاوہ نیابت کا صحیح ثبوت نہیں۔ حج کے متعلق بعض روایات میں بھائی یا قریبی کا لفظ شک کے ساتھ وارد ہے۔

مگر ایداد ثواب پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔

جو لوگ اہل سنت کے خلاف مروجہ رسوم جائز جانتے۔ اور تارکین رسوم پر لعن و طعن کرتے ہیں۔ وہ دو قسم کے لوگ ہیں یا دو قسم کا استدلال پیش کرتے ہیں۔ ایک ان عام ادلہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں مطلق دعا کرنے۔ یا کسی عبادت کرنے یا کسی جگہ صدقہ کرنے کا ذکر ہے۔ اپنی بدعات کو ان کے نیچے داخل کر کے ان کو جائز کہتے ہیں۔

ان لوگوں کے نزدیک وہ ادلہ جن میں بدعات کی مذمت کی گئی ہے۔ وہ بالکل بیکار ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ کسی امر کے ناجائز ہونے کا مدار خاص نہی کو قرار دیتے ہیں۔ پس جب تک کسی خصوصیت زمانی یا مکانی کی نہی شرع میں وارد نہ ہو۔ اس وقت تک اس کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ اور اہل سنت اسی خصوصیت زمانی وغیرہ غیر ثابت کی وجہ سے اس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور ادلہ مذمت بدعت سے اس کو ناجائز قرار دے کر عام ادلہ سے خارج قرار دیتے ہیں ماحصل بات یہ ہیں۔ کہ اگر کسی فرد دعا یا صدقہ یا کسی عبادت کو عام ادلہ کا قرار دے کر کیا جائے۔ تو ان افراد پر ان عام ادلہ سے استدلال درست ہے ورنہ نہیں۔ مثلاً ظہر کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے۔ وہ مطلق نماز کے مطلق امر کے نیچے بھی داخل ہے۔ ایک نماز جو بنام نماز ظہر پڑھی جاتی ہے۔ اور اس امر کے نیچے بھی داخل ہے۔ جو نماز ظہر کے لئے خاص طور پر وارد ہے۔ پس امر اول کے نیچے داخل ہونے کی صورت میں اس وقت چار رکعات اور دیگر خصوصیات خاصہ کا التزام ضروری نہیں۔ اور امر خاص جو ظہر کی نماز کے متعلق وارد ہے۔ اس کے نیچے داخل ہونے کی وجہ سے اس میں ان خصوصیات کا ہونا ضروری ہے پس جو شخص ان افراد دعا و صدقہ و عبادت کو ان خصوصیات زمانی و مکانی وغیرہ کے التزام اعتقادی او عملی کے بغیر اگرچہ ان خصوصیات کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا استدلال عام ادلہ سے درست ہے۔ اور جو ان خصوصیات زمانی و مکانی وغیرہ غیر ثابتہ کو اعتقاداً یا عملاً اس طرح لازم کرتا ہے۔ جس سے تشریع کا وہم پڑے جیسے بدعات مروجہ کے کرنے والے کرتے ہیں۔ تو اس صورت سے استدلال درست نہ ہوگا۔ کیونکہ بحث

اب صرف التزام خصوصیت غیر ثابتہ ہے۔ اور وہ التزام نفس سے ایک زائد امر ہے۔ اسی وجہ سے اہل سنت اس کو بدعت کہتے ہیں۔

دوسرا گروہ یا دوسرا استدلال۔ اس کی مختلف صورتیں مختصراً درج کی جاتی ہیں۔

(۱) ضعیف احادیث جو ابدائے ثواب کے متعلق پیش کی جاتی ہے۔ حالانکہ بدعات میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔ یعنی جو امر بدعت کے نیچے داخل ہو۔ ضعیف حدیث سے بدعت سے خارج نہیں ہو سکتا۔

(۲) موضوع روایات جیسے حضرت ابراہیم فرزند آنحضرت صلعم کے تیجے کی بناوٹی حدیث حضرت امیر حمزہ کے تیجے، ساتویں۔ چالیسویں ششماہی۔ و برسی کی روایات۔

(۳) رواج جہلا۔ اس کو استدلال میں پیش کرنا بالکل دین سے بےخبری کی دلیل ہے۔

(۴) بعض کے علماء کے فتوے۔ ان میں سے بعض میں نسبت غلط کی گئی ہے اور بعض میں اگرچہ صحیح ہیں۔ مگر ان کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے۔ اگر کسی فتوی کی نسبت کسی عالم کی طرف صحیح اور مطلب بھی صحیح سمجھا گیا ہے۔ تو ان علماء کے خلاف دوسرے علماء موجود ہیں جو ان کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔ پس اس اختلاف کی صورت میں صرف اقوال پر ہی فیصلہ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف رد کرنا چاہئے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں صرف انہی علماء کے اقوال صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ جو ان بدعات کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے مختصر طور پر یہاں ذکر کر دیا ہے۔ اور رسالہ جواز فاتحہ علی الطعام کے رد میں اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس صحیح امر یہی ہے۔ کہ ان رسوم و بدعات مروجہ کے کرنے پر کوئی صحیح دلیل نہیں بلا شک و شبہ یہ امور ناجائز اور حرام ہے۔ والسلام خیر الختام

ضروری اطلاع

جناب صاحب الفضیلت حافظ محمد گوندلوی کی جن کتب مصنفہ کا کتابچہ ہذا کے صفحہ ۵۲ پر اعلان درج کیا گیا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل مقامات سے مل سکتی ہیں :۔

(۱) مصنف کتب ہذا حافظ حکیم مولوی محمد صاحب گوندلوی۔
گلی حسن شاہ آبادی حاکم رائے گوجرانوالہ

(۲) ابو النعمان بشیر احمد میرپوری۔ مدرسہ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ

(۳) محمد امین کھلن ہٹھاڑ۔ تحصیل چونیاں ضلع لاہور

(۴) حافظ فتح محمد محمدی غلہ منڈی منڈی مسجد اہل حدیث تاندلیانوالہ
ضلع لائل پور

(۵) خان محمد منیر جھوک دادد لور چک ۲۲۲ ڈاکخانہ تاندلیانوالہ
ضلع لائل پور۔

نوٹ

فاتحہ خلف الامام چھپ کر آ رہی ہے۔ جس میں قرآن اور حدیث کی رو سے مکمل دلائل ہوں گے۔ آرڈر بھیج کر اپنا نام خریداروں میں درج فرمائیں۔

ابو النعمان میرپوری

اعلان

فہرست کتب مطبوعہ

۱۔ **اثبات التوحید بابطال التثلیث** ۔ پادری عبدالحق کی کتاب توحید فی التثلیث کا مکمل رد ہے جس کے جواب سے وہ اب تک عاجز ہے۔ قیمت ۶ر

۲۔ **ختم نبوت** ۔ اس میں قادیانیوں کے دلائل جریان نبوت کا جواب ہے۔ جو عام مناظرہ میں پیش ہو سکتا ہے۔ قیمت ۱۰ر

۳۔ **الاصلاح ۱** جس میں تقلید علم غیب ندا یا رسول اللہ عرس۔ وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت عہر

۴۔ **الاصلاح ۲** جو جواز فاتحہ علی الطعام کا مفصل رد ہے قیمت عہر

۵۔ **صلوٰۃ مسنونہ** ۔ نماز سنت طریق میں لکھی گئی ہے مسائل نماز کو ذکر کیا گیا ہے قیمت ۴ر

۶۔ اسلام کی پہلی کتاب قیمت ۳ر اسلام کی دوسری کتاب قیمت ۳ر

کتب قابل طبع

۱۔ **شرح مشکوٰۃ شریف** ۔ عربی جو کتاب الطہارت تک نہایت شرح و بسط سے لکھی گئی ہے۔ قریباً سات سو صفحات تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن اس کی طباعت کی ابھی تک کوئی صورت نہیں بن سکی۔ کوئی صاحب توفیق یہ سعادت حاصل کرنا چاہے۔ تو فاضل مصنف سے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کر کے دریافت کر سکتا ہے۔

پتہ

حافظ محمد مہتمم و صدر مدرس جامعہ اسلامیہ اہلحدیث گوجرانوالہ

(ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور)

